اساتذہ کا کردار
اور
چند عملی نمونے

ترتیب

عبد اللطیف قاسمی

استاذ جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور

شائع کردہ جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور

اساتذہ کا کردار

اور

چند عملی نمونے

مفتی عبداللطیف قاسمی

استاذ جامعہ غیث الہدی بنگلور

ناشر

جامعہ غیث الہدی بنگلور

نامِ کتاب : اساتذہ کا کرداراور چند عملی نمونے

مؤلف : مفتی عبداللطیف قاسمی

جامعہ غیث الہدی، بنگلور

صفحات :

موبائیل نمبر : 9986694990

ای میل : abufaizanqasmi@gmail.com

ویب سائٹ : faizaneqasmi.com

ملنے کے پتے

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، حنفی بک ڈپو، ماولی، بنگلور

جامعہ غیث الہدی بنگلور

Jamia Ghaisul huda

Shikari palya,Holimangla Post

jigni Bangalore 560105

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اعترافِ نعمت اور احساساتِ مؤلف

احقر ایک دیہاتی طالب علم ہے، دیہات میں پیدائش ہوئی، سرکاری اسکول میں چوتھی جماعت کا طالب علم تھا کہ والدۂ محترمہ کی وفات ہوگئی، والد صاحب نے نکاحِ ثانی فرمایا، بڑے بھائی ڈرائیونگ سیکھنے کی غرض سے بنگلور آچکے تھے، جامع مسجد بنگلور کے قرب وجوار میں ان کا کام، طعام اور قیام تھا، اس عرصے میں۔ اللہ جانے۔ ان کے دل میں کیسے خیال آیا کہ مجھے دینی مدرسے میں داخل کرانا چاہیئے، اس لیے انہوں نے تین جوڑے کپڑے وطن روانہ کیے اور رمضان کے بعد دادا جان مرحوم کے توسط سے ایک چھوٹے سے قریبی دینی مدرسہ ''ضیاء العلوم'' ''رومپی چرلہ'' میں جہاں صرف چار طالب علم تھے داخلہ کروادیا، ایک سال کی مدت میں قاعدہ بغدادی اور تقریباً دس بارہ پارے ناظرۂ قرآن مجید پڑھا، دوسرے سال مدرسہ چلا گیا، عیدالاضحیٰ تک کوئی طالب علم، یا استاذ مدرسہ نہیں آئے، مؤذن صاحب گھر میں کھلاتے پلاتے تھے

۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں بقرۂ عید کے بعد دادا جان مرحوم کے توسط سے دار العلوم سبل السلام پنگنور میں درجۂ حفظ میں داخل کیا گیا، حضرت مولانا محمد حیات صاحب معدنی دامت برکاتہم احقر پر بہت مہربان وشفیق تھے، آپ کی کرم فرمائی، شفقت، وقتاً فوقتاً مطعومات وماکولات کی نوازش اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے طبیعت میں حفظ قرآن مجید کا شوق، سبق اور آموختہ وغیرہ سنانے میں تنافس کا مزاج پیدا ہوا، جس کی وجہ سے تعلیمی سفر کبھی جبری نہیں رہا؛ بلکہ ذوق وشوق ہی سے تعلیمی زندگی کے مراحل پورے ہوئے، بہر حال تین سال کی مدت میں تیئس پارے حفظ کئے، چوتھے سال اپنے استاذ محترم مولانا محمد حیات صاحب سے عربی درجات کی کتب متعلق کردی گئیں، جس کی وجہ

سے اس مدرسے سے نکل کر ۱۴۱۵ھ م ۱۹۹۴ء میں جامعہ محمودیہ رائے چوٹی میں داخل ہوا اور حضرت مولانا شفیع الرحمن صاحب قاسمی کے پاس آخری سات پاروں کا حفظ مکمل کیا۔

۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۵ء تا ۱۴۱۸ھ م ۱۹۹۸ء جماعت فارسی، عربی اول اور عربی دوم تین سال دارالعلوم شاہ ولی اللہ بنگلور میں زیر تعلیم رہا، اس عرصے میں مختلف اکابر اساتذۂ کرام سے استفادے کا موقع ملا، بطور خاص استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد اسلم صاحب رشادی مدظلہ کی خصوصی عنایات وتوجہات حاصل رہیں، درسی کتب لکھنے، پڑھنے اور یاد کرنے میں کبھی کسی استاذ کے لیے الحمدللہ شکایت کا موقع نہیں ملا، عموماً بعد نماز عصر حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی، حضرت والا کے لیے چائے، کافی، بسکیٹ وغیرہ مطبخ، یا دکان سے احقر یا مولانا محسن شاہی صاحب مدرس دارالعلوم شاہ ولی اللہ لے آتے، حضرت الاستاذ نوش فرماتے اور بندے کو بھی ضرور عنایت فرماتے، اس موقع پر مختلف جہات سے احقر کی تربیت فرماتے، پہلے سال صرف خدمت میں حاضری اور مناسبت رہی، دوسرے سال آپ نے نمازِ فجر تا رات سونے تک کا نظام الاوقات کا نقشہ تیار کرنے کا حکم فرمایا، اپنے اعتبار سے تیار کر کے لے آیا، حضرت نے اس کے نوک و پلک کو درست فرمایا اور اس کی پابندی کا حکم دیا، اس نقشے میں مختلف معمولات کے ساتھ اسباق یاد کرنے اور لکھنے کے لیے بھی وقت کی تحدید وتخصیص، اگلے اسباق کی تیاری، غیر درسی کتب کا مطالعہ اور ان کا وقت درج تھا، روزانہ بعد نمازِ عصر نظام الاوقات سے متعلق کارگذاری اور مصباح اللغات سے براہِ راست تین لغات یاد کر کے سنانا ضروری تھا۔

عربی اول کے سال مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''نبی رحمت'' کا مطالعہ کرنے کا حکم فرمایا، روزانہ بعد نمازِ عشاء درسی امور کی تکمیل کے بعد بلاناغہ نبی رحمت کا مطالعہ کرتا تھا، الحمدللہ چند دن میں کتاب مکمل کرلی، پھر آپ نے ''مولانا حسین احمد مدنی'' مصنفہ وحید الفریدی مطالعہ کے لیے عنایت فرمائی، مذکورہ ترتیب کے موافق اس کتاب کا بھی مطالعہ کیا، اس طرح اگلے سبق کی تیاری کا اہتمام اور غیر درسی کتب کے مطالعہ کا شوق اور عادت بن گئی۔

نیز مصباح اللغات سے براہ راست تین لغات روزانہ بعد نمازِ عصر یاد کر کے حضرت الاستاذ کو سنانے کی وجہ سے لغات کی ورق گردانی کا طریقہ وسلیقہ پیدا ہوا جس کی وجہ سے عربی ادب کی کتابیں جو داخلِ درس ہوتیں، سبق میں شرکت سے پہلے ہی ان کی عبارت، ترجمہ اور ترکیبیں حل ہو جاتی تھیں، نیز ان لغات کے یاد کر لینے سے اگلے تعلیمی سالوں میں درسی کتب کے حل کے لیے کتبِ لغت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی۔

عربی دوم کے سال آپ سے ''ہدایت النحو'' اور ''تیسیر المنطق'' پڑھی، ''ہدایت النحو'' کا سبق فرداً فرداً سنانا ہر طالب علم کے لیے لازم تھا، آپ ذہین طلبہ کو عربی عبارت کے ساتھ سبق سنانے کی ترغیب دیتے تھے، الحمد اللہ بندہ بھی عربی عبارت کے ساتھ سبق سنا نے والوں میں شامل تھا، نیز تین مجلسوں میں پوری کتاب عربی عبارت کے ساتھ سنائی تھی، اس کے علاوہ حضرت الاستاذ نے عربی زبان ہی میں منطق کی اصطلاحات بھی یاد کرادی تھیں۔

اس شفقت، تربیت اور محنت کا فائدہ یہ ہوا کہ مزاج میں حصولِ علم کا شوق وشغف، درسی کتب میں محنت کا جذبہ، مطالعہ کی عادت اور عربی زبان سے مناسبت پیدا ہوئی جو دارالعلوم دیوبند کے چھ سالہ تعلیمی عرصے میں نہایت مفید ثابت ہوئی، طبیعت میں آزادی، تن پروری، سستی، کاہلی اور غلط صحبتوں سے حفاظت کا ذریعہ ثابت ہوئی، یہ تعلیمی سفر کی خشت اول تھی جو پورے خلوص و بے غرضی سے رکھی گئی تھی، جو ایک ناکارہ وپس ماندہ طالب علم کے لیے قدرتی طور پر زندگی کی صحیح سمت کی تعیین کے لیے ظاہری اسباب کے طور پر وجود میں آئی۔

۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء میں احقر دارالعلوم دیوبند گیا، اپنے پھوپی زاد بھائی کے کمرے میں قیام کیا، تقریری وتحریری امتحان میں کامیابی ملی اور امدادی داخلہ ہو گیا۔

حضرت مولانا خضر محمد صاحب کشمیری دامت برکاتہم سے ''نفحۃ العرب'' متعلق تھی، ''نفحۃ العرب'' کا مقدمہ ختم ہوا، استاذ محترم نے درس گاہ میں اعلان فرمایا کہ جو طالب علم

تھوڑی دیر میں مقدمہ سنائے گا، اس کو جلیبی کھلاؤں گا، ایک قدیم طالب علم محمد صہیب نے سنانا شروع کیا، پھر دوسرے طالب علم نے سنایا، پھر بندے نے بھی قدیم طلبہ کی اکثریت کے ماحول میں مختصر حمد وثنا اور الفاظِ خطاب کے ساتھ ''نفحۃ العرب'' کا مقدمہ سنا دیا، استاذ محترم بنظر تعجب دیکھتے رہے اور آخر میں حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرمائے، اپنے اندر ہمت اور حوصلہ پیدا ہوا، اس کے بعد اسباق میں بلا تردد سبق سنانے اور عبارت پڑھنے میں حصہ لینے لگا۔

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری مدظلہ اس وقت بھی باجمال، ذی وقار اور ذی ہیبت و وجاہت استاذ تھے، ''شرح شذور الذہب'' ''القراءۃ الواضحہ'' تیسرا حصہ پڑھاتے تھے، آپ کے اسباق میں بھی عبارت خوانی میں حصہ لینے لگا، استاذ محترم بھی شفقت فرماتے، استاذ کے قریب بائیں جانب میری نشست تھی، حضرت الاستاذ اپنی نشست گاہ پر بیٹھتے اور کھڑے ہوتے ہوئے وقتاً فوقتاً لطیف مسکراہٹ کے ساتھ میری پشت کا سہارا لیتے، آپ کے رعب وجلال سے پانی پانی ہو جاتا تھا۔

ماہانہ امتحان کا موقع آیا، امتحان سے ایک دن پہلے آپ نے سبق نہیں پڑھا اور فرمایا کہ حلقے بنا کر امتحان کی تیاری کرو، قدیم طلبہ اپنے حلقے بنائے اور جدید طلبہ بھی ان میں شامل ہو گئے، احقر حضرت کے قریب تپائی پر تنہا بیٹھا رہا، استاذ محترم نے چند طلبہ سے کہا کہ تم ان کے ساتھ مذاکرے اور تکرار میں شامل ہو جاؤ، چنانچہ حضرت الاستاذ کے حکم سے چند طلبہ سے اپنے حلقے کا آغاز ہوا، درسی ساتھیوں میں ایک پہچان ہوئی اور احقر کا حوصلہ بلند ہوا، بشمول دورۂ حدیث ہر درجے میں عبارت خوانی اور درسی امور میں پیش پیش رہنے کا حوصلہ و موقع ملتا رہا۔

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم اردو اور وعربی کے بہترین ادیب ہیں، عربی لہجہ میں عبارت پڑھتے ہیں اور شستہ و عمدہ ترجمہ فرماتے ہیں، کبھی کبھی روایتی ترجمہ نقل فرما کر ہنسی مذاق بھی فرماتے تھے۔

حضرت مولانا اکبر شریف صاحب مدظلہ موجودہ شیخ الحدیث ''دارالعلوم شاہ ولی

اللہ'' بنگلور سے قصص النبیین پڑھی تھی اور شستہ وعمدہ ترجمہ سے مناسبت تھی ، ''شرح شذور الذہب'' کے سننے کا اہتمام اور ''القراءۃ الواضحہ'' کی تمرینات سے ترجمہ کرنے کا سلیقہ پیدا ہوا، یہ آپ ہی کا خصوصی فیض ہے جو آپ کی شفقتوں اور توجہات سے بندے کو حاصل ہوا۔

۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۴ء میں ''دارالعلوم حیدرآباد'' میں شعبہء افتاء میں داخل ہوا، شعبہ کے صدر مردم ساز شخصیت حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی صدر المدرسین وصدر مفتی دارالعلوم حیدرآباد تھے، حضرت والا نے بندے کے ساتھ بہت شفقت کا معاملہ فرمایا، خاص توجہ فرمائی ، ایک دو ہفتہ عام تمرینات دیں، اس کے بعد دارالافتاء موصول ہونے والے استفتاء بندے کے سپرد فرمادیتے تھے، اپنی کاپی میں کئی حوالوں سے جواب لکھنا پڑتا، پھر جن اقتباسات کی نشان دہی فرماتے، ان کو اصل استفتاء والی کاپی میں لکھنے کا حکم ہوتا، سال بھر تقریباً دوسو دس تمرینات ہوئیں جو دو ہزار کے برابر ہیں، ان سوالات کے حل کرنے میں خوب محنت اور خوب مشق ہوئی، فتوی نویسی کی نزاکتوں اور باریکیوں سے واقفیت ہوئی۔

شروع سال ہی میں امریکہ سے مفتی نوال الرحمن صاحب مدظلہ نے ایک استفتاء ''دارالعلوم حیدرآباد'' ارسال فرمایا، جس میں مشینی ذبح سے متعلق استفتار کیا گیا تھا، حضرت والا نے ایسے اہم استفتاء کو بندے کے سپرد فرمادیا، اپنی بساط، تلاش اور جستجو کے موافق دارالافتاء کی تمام متعلقہ کتب دیکھیں، جواب کی ایک سطر بھی تیار نہیں کرسکا، بعد نمازِ ظہر تمرین کی گھنٹی شروع ہوتی، تو مجھ پر ڈر اور خوف سوار ہوجاتا کہ آج کی تمرین نہیں ہوئی، استاذ محترم کو کیا جواب دوں گا؟ مرعوب، خوف زدہ اور پریشانی کے عالم میں کتابوں میں متعلقہ مواد تلاش کرنے میں لگا رہتا، وقت پورا ہوتا، خوف وپریشانی دور ہوتی ، تقریباً دو تین دن اسی حالت میں گذرے، تیسرے یا چوتھے دن تمرین کی گھنٹی میں تمام ساتھی اپنی تمرینات دکھا کر فارغ ہوگئے، میں ڈرتے ڈرتے مرعوب ومایوس چہرے کے ساتھ استفتاء کی نقل لے کر حاضر خدمت ہوا اور دبی آواز میں عرض کیا، حضرت جواب مجھے نہیں

مل رہا ہے، حضرت والا نے بظاہر استغناء کے ساتھ فرمایا: جایئے بزرگ تلاش کیجئے۔

احقر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، مزید مایوسی کے ساتھ کتابوں کی الماری کی طرف متوجہ ہوا، آنکھوں سے آنسوں بے تحاشہ جاری ہو گئے، ذہن عاجز و بے بس تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں، اللہ جانے استاذ نے کیا نظر ڈالی، کیا توجہ فرمائی اور کیا دعائیں دیں، اسی دن ''منتخب نظام الفتاویٰ'' میں مجھے اپنا مطلوبہ مواد مل گیا، پھر دیگر کتابوں میں بھی وہ مضمون ملا، تین چار صفحات کا مقالہ تیار ہو گیا، پھر حضرت کی خدمت میں کاپی لے کر حاضر ہوا، آپ نے مسکراہٹ کے ساتھ میری جانب نظر اٹھائی اور کاپی کی جانچ فرمائی، پھر جواب کے لیے تمرین کی کاپی کے چند اقتباسات اور چند دلائل لکھنے کا حکم فرمایا، اس موقع پر بے انتہاء خوشی و مسرت ہوئی، اس دن کے بعد سے الحمد اللہ آج تک مسائل کی تلاش اور تخریج میں بہت آسانی ہوتی ہے، ہمت پست نہیں ہوتی، کوشش و تلاش سے مسئلے کا حل نکل جاتا ہے، یہ استاذ کی کرامت تھی، یا خصوصی نظر و دعائیں تھیں، مجھے امتحان و آزمائش میں کیوں مبتلا کیا گیا؟۔ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ لیکن اللہ نے میرے لیے آسانیوں کا دروازہ کھول دیا۔

ایک مرتبہ ''ناخن تراشنے کا طریقہ'' کے عنوان پر تمرین دی، احقر نے کتبِ حدیث اور شروحِ حدیث کی طرف مراجعت کی اور بعض علماء کرام کی رائے کے موافق بہت فخریہ انداز میں تمرین میں لکھا کہ ناخن تراشنے کا کوئی مخصوص طریقہ قرآن وسنت سے ثابت نہیں ہے، حضرت والا نے جوابی کاپی پر ایک نوٹ لکھا: کیا مزاجِ شریعت و مذاقِ شریعت سے واقف علمائے کرام کی بھی یہی رائے ہے؟

بندہ پانی پانی ہو گیا، پیروں تلے زمین کھسک گئی، اس لیے کہ جواب کی تیاری کرتے ہوئے ''مرقاۃ المفاتیح'' کتاب اللباس میں علامہ نوویؒ شارح مسلم کی عبارت دیکھی تھی کہ ناخن تراشنے کا مستحب طریقہ یہ ہے، اگرچہ احادیث صحیحہ میں اس کی مخصوص کیفیت وارد نہیں ہوئی ہے۔

احقر نے اسی کو نظر انداز کیا تھا، اس کے بعد سے آج تک نصوص کی تشریح، آیات کی

تفسیر اور مسائل میں اکابر کی آراء ودلائل کو نظر انداز کرنے کی ہمت نہیں ہوتی؛ بلکہ عباراتِ اکابر کی تائید کے بغیر ذہن مطمئن ہی نہیں ہوتا، یہ وہ نکتہ اور تربیت ہے جو انسان کو ذہنی آزادی، یا اظہارِ خیال کی آزادی کے پرفریب ومہلک مرض سے محفوظ رکھتا ہے، احقر کی رائے میں یہ بھی استاذ کی کرامت اور توجہات کی برکت ہے۔

استاذ محترم تمرینات میں خوب تحقیق کے ساتھ جوابات تحریر کرنے کی ترغیب دیتے، بعض مرتبہ جوابات کو ناقص بتا کر مزید کتابوں کی طرف مراجعت کا حکم فرماتے، جوابی تحریر میں تعبیرات کو درست فرماتے، جس کی وجہ سے تحقیق کا شوق پیدا ہوا اور تحریر ومضامین کی مشق بھی خوب ہوئی۔

آخر میں ایک مختصر بات پیش کروں، سالانہ امتحان سے فراغت ہوئی، ہم چند طلبہ سواری کے انتظار میں صحن ''دارالعلوم'' میں موجود تھے، بعد نمازِ عشا اتفاقاً حضرت الاستاذ تشریف لے آئے اور صحن ''دارالعلوم'' میں ایک کرسی پر بیٹھ گئے، ہم دو تین طلبہ نے عرض کیا: حضرت کوئی نصیحت فرمادیجئے، حضرت الاستاذ نے فرمایا: بزرگ! واجبات پورے کرو، خواہ وہ واجبات من جانب اللہ ہوں، یا من جانب العباد، آخرت کی گرفت اور دنیا کی ذلت ورسوائی سے محفوظ رہوگے۔

اللہ بہتر جانتے ہیں کہ ان مختصر جملوں نے مجھے کس قدر فائدہ پہنچایا، ہر موقع پر استاذ کی سنہری نصیحت یاد آتی ہے اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں سنگ میل ثابت ہوتی ہے، بہرحال حضرت اقدس مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی ایک بے مثال استاذ اور مردم ساز مربی ہیں، بندے پر آپ کے بے شمار احسانات ہیں۔

۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۵ء میں استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد اسلم صاحب رشادی مدظلہ نے ''جامعہ غیث الہدیٰ'' بنگلور میں تدریسی خدمت پر مامور فرمایا، ''جامعہ'' حاضری کے بعد استاذ محترم نے خوب شفقت فرمائی، زندگی کے ہر شعبے میں آپ کی رہنمائی، رہبری، عنایتیں اور شفقتیں حاصل رہیں، بلا مطالبہ ہی اہم کتابیں متعلق فرماتے رہے، آپ کی توجہات کی برکت سے الحمد اللہ پڑھنے پڑھانے میں سہولت، آسانی

اور ترقی نصیب ہوئی۔

ابتداءً چند اصلاحی مضامین کو تصحیح ونظر ثانی کے بعد شہر بنگلور کے مشہور اخبار ''روزنامہ سالار'' میں شائع فرمایا، بندے میں حوصلہ پیدا ہوا، ''اذان اور مؤذنین رسول اللہ'' نامی کتاب مرتب کی، ایک ایک مضمون لکھ کر خدمت میں پیش کرتا، اس کی تصحیح اور نظر ثانی فرماتے، ''التیسیر فی التصریف'' دراصل آپ ہی کی فکر وکاوش ہے، بندے نے آپ کے ارشاد کے موافق ترتیب دی ہے، ''رہنما اصول برائے خوش گوار ازدواجی زندگی'' کے لیے ابواب وعناوین متعین فرمائے، بندے نے مواد جمع کیا، تو مضامین پر گہری نگاہ ڈالی، تعبیرات کو درست فرمایا اور اس کے نوک و پلک کو سنوارا، بہر حال تدریسی، تصنیفی، دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے اصلاح اور تربیت کی فکر فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر نصیب فرمائے، صحت، سلامتی اور عافیت نصیب فرمائے اور آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔

میرے تمام ہی اساتذہ مشفق ومہربان تھے اور ہیں؛ البتہ اصلاحی، تعلیمی وتربیتی اعتبار سے بعض اساتذۂ کرام کے خصوصی احسانات ہیں، جن کے اثرات اپنی زندگی میں ثبت ونمایاں ہیں، میں نے بطور خاص ان ہی حضرات کا تذکرہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مذکورہ تینوں اکابر اساتذہ کو دنیا وآخرت میں بہترین بدلہ نصیب فرمائے، صحت وسلامتی، فیوض اور برکات کے ساتھ آپ کی عمروں کو دراز فرمائے، آپ کے فیوض وبرکات کو امت میں تا قیام قیامت جاری فرما کر انہیں صدقہ جاریہ بنائے، الحمد اللہ اس عاجز بندہ کی گزارش پر کتاب کے موضوع سے متعلق عمدہ مضامین تحریر فرمائے ہیں اور بندہ کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے دعاؤں سے نوازا ہے۔

احقر جو کچھ اور جس درجے کا بھی انسان بنا ہے، وہ ان ہی اساتذہ کی شفقت، تربیت اور توجہات سے بنا ہے، بندے کو ان امور کا بہت شدید احساس اور اعتراف ہے، بندہ ان ساتذہ کرام کا نہایت ممنون اور مشکور ہے، اللہ تعالیٰ سب کی دنیا وآخرت کو بہتر بنائے، یہی احساسات وتاثرات ہیں جو اس کتاب کی ترتیب کے ظاہری اسباب بنے۔

ان ربی لطیف لما یشاء، انه هو العلیم الحکیم.

انسانی تاریخ میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو بھی بڑے بنے، بلندیوں پر پہنچے اور کامیابیاں حاصل کیں، ان کی شخصیت سازی میں ان کے اساتذہ کی محنت، کاوش اور توجہات کو بہت بڑا دخل رہا ہے۔

چند سال قبل جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور میں تدریب المعلمین کا اجلاس منعقد ہوا، بندے نے ''طلبہ کی ترقی میں اساتذہ کا کردار اور ان کی خدمات میں اساتذہ کے علوم و فیوض کا اظہار'' کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا، جس میں بطور نمونہ حضرت قاسمؒ بن محمد اور حضرت عروۃؒ بن زبیر کی شخصیت سازی میں حضرت عائشہؓ کا کردار، امام ابو یوسفؒ کی شخصیت سازی میں امام ابو حنیفہؒ کے کردار کا تذکرہ کیا گیا، اسی وقت خیال ہوا کہ اس مقالے میں اپنے اکابر ''دارالعلوم دیو بند'' کا بھی بالترتیب تذکرہ ہونا چاہئے، اسی ارادے کی تکمیل اس کتاب میں کی گئی ہے۔

اس مختصر کتاب میں ان ہی مخلص، بے لوث اور فنِ رجال سازی کے ماہر اساتذۂ کرام کے مختصر و چنندہ احوال اور طلبہ پر عنایتوں کے واقعات کو بطور نمونہ ذکر کیا گیا ہے، جنھوں نے ذی استعداد شاگردوں کی کھیپ تیار کی، جو اپنے لائق شاگردوں کے لیے دل سوزی و ہم دردی، ان کی تربیت و استعداد سازی کے لیے غیر معمولی فکرمندی، اولاد کی طرح ان کی مادی و معنوی پرورش کے لیے مختلف تدبیریں کرتے تھے۔

نیز اس مضمون سے متعلق قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی رفیع عثمانی اور مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہما کی قیمتی تقاریر دستیاب ہوئیں، ان تقاریر کو تحریری شکل میں مرتب کرنے کے بعد اس کتاب کا جزء بنایا گیا ہے۔

یہ واقعات و حالات ۔ان شاء اللہ۔ قاری کے لیے سبق آموز بھی ہوں گے اور باعث عبرت و نصیحت بھی، اس کتاب کا مطالعہ نہ صرف طلبہ؛ بلکہ اساتذہ کے لیے بھی مفید ہوگا کہ دونوں کو اس سے یہ سبق ملے گا کہ طلبہ کو اطاعت و سعادت کا نمونہ ہونا چاہئے اور اساتذہ کو شفقتِ پدری و اخلاصِ بزرگانہ کی مثال رہنا چاہئے۔

دونوں فریق میں جس درجہ مذکورہ صفات کی فراوانی ہوگی، اسی درجے تعلیم وتعلم کا عمل بارآور ہوگا اور جس درجے ان کی کمی ہوگی، اسی درجہ یہ عمل غیر مفید اور بے فیض ہوگا، نیز طلبہ کو اپنے اساتذہ سے جس درجے کا تعلق ہوتا ہے، اسی درجہ طلبہ اساتذہ کی شفقتوں سے بہرہ یاب ہوتے ہیں؛ بلکہ انھیں اپنی استعداد سازی، اپنے آپ کو میدان عمل میں کارآمد اور ہنر مند بنانے کا سنہرا موقع بھی ملتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ میرے تمام اساتذۂ کرام کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، جو باحیات ہیں، ان کی قدر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ان کے سایے کو تادیر بصحت وعافیت قائم رکھے، اس کوشش کو قبول اور ذخیرہ آخرت فرمائے، معلمین ومدرسین کو طلبہ کی قدر کرتے ہوئے ان پر محنت کی توفیق، طلبہ عزیز کو اپنے اساتذہ کی قدر اور احسان شناسی کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

محتاج دعا: عبداللطیف قاسمی

جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور

۲۸/ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹/اگست ۲۰۲۰ء

انسان کا معلم اوّل خود اس کا خالق و مالک

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد اسلم صاحب رشادی قاسمی
بانی و مہتمم جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور

انسان مخلوقاتِ الٰہی میں مکرم و محترم مخلوق ہے اور انسان کے علاوہ دیگر مخلوقات کی حیثیت خادمانہ ہے، اسی لیے اللہ جل وعلا نے دیگر تمام مخلوقات کو پیدائش ہی سے جان کار بنایا، تمام مخلوقات اپنی ضرورت کی ہر چیز کا علم لے کر پیدا ہوتے ہیں، دنیا میں آنے کے بعد خلافِ فطرت کے لیے تو تربیت کرنی پڑتی ہے، فطرت پر چلنے کے لیے ان کو کسی تربیت کی ضرورت نہیں۔

انسان نرا جاہل اور نادان پیدا ہوتا ہے، پہلے ہی مرحلے سے اس کو تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا۔ (النحل:۷۸)

بڑی عمر کی عورتیں اپنی انگلی میں شہد لگا کر بچوں کو چٹاتی ہیں، چوسنا سکھاتی ہیں کہ اس بچے کو ماں کے سینے سے لگ کر دودھ پینا بھی نہیں آتا، پھر آہستہ آہستہ ہر چیز (کھانا، پینا، بیٹھنا، کھڑنا، چلنا، دوڑنا، بھاگنا، پہننا، اوڑھنا، نہانا اور دھونا وغیرہ) سکھائی جاتی ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ہر چیز سکھائی ہے۔

اُدْنُ بُنَيَّ! فَسَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ۔ (ابوداؤد:۳۷۷۷)

سلیقہ، قرینہ، عمدگی و بہتری خصوصی تربیت اور نگہداشت سے پیدا ہوتی ہے، انسان کو زندگی میں سب سے زیادہ علم و تربیت ہی کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ ضرورت عمر بھر رہتی ہے، اسی لیے عربی کا مشہور مقولہ ہے :

العلم من المهد الی اللحد۔

ہر وقت سیکھتے رہنے سے انسان ترقی کرتا ہے، ورنہ علم کی کمی انسان کو پس ماندہ بنا دیتی ہے۔

انسان کا معلم اول خود اس کا خالق و مالک ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ.

معلم بنا صفتِ الٰہی کو اپنانا ہے، اس صفتِ ایزی کو دیگر صفات کے ساتھ اپنانا ہوگا، الرحمن علم القرآن صفتِ رحمت ہی تعلیم کی اولین بنیاد ہے، دولتِ علم کا انفاق صفتِ ترحم کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے۔

کسی کو جہل کی ظلمت و تاریکی میں بے یار و مددگار کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟ پتہ نہیں اندھیروں میں وہ انسان کتنا بڑا نقصان کرے گا؟ اس لیے جلد از جلد سے اسے روشنی میں لانا ہی مہربانی کا تقاضہ ہے، نابینا کو گڑھے کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر اسے بچانے کے لیے انسان دوڑ پڑتا ہے، گہرے پانی میں ڈوبتا ہوا دیکھ کر تیراک خطروں سے بے پرواہ ہوکر پانی میں کود پڑتا ہے، نابینا کو گڑھے میں گرنے سے بچانا اور ڈوبتے ہوئے کو خطرے سے بچانے سے بڑی ذمہ داری جہالت کے مارے کو نادانی کے اندیشوں سے بچانا ہے۔

انبیاء معلمین بنا کر دنیا میں مبعوث کئے گئے، انبیاء کی سب سے بڑی خوبی جس کو حضرات انبیاء نے مختلف اسلوب سے واضح فرمایا ہے، وہ اپنی امت اور انسانیت کے ساتھ بڑی ہم دردی ہے، معاش و معاد دونوں سے متعلق ضروری علوم کا ذخیرہ اور خزانہ جس فراخ دلی کے ساتھ انبیائے کرام نے امت پر لٹایا ہے، اس کی مثال انسانی تاریخ میں سوائے انبیاء کی زندگی کے؛ کہیں نہیں ملتی۔

تعلیم و تدریس کے منصب پر مسند آرا ہونے والے کسی بھی فرد کو انبیاء کی سیرت سے استفادہ کئے بغیر اس کا حق ادا کرنا ممکن نہیں۔

حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ حمیدہ صفات میں جہاں ہر عمدہ و پسندیدہ خصلت کے لیے نمونہ ہے اور تعلیم و تربیت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر اسوہ نہیں ہوسکتا ہے۔

حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ نے دورانِ نماز کسی کے چھینکنے پر ''یرحمک اللہ'' کہا، ساتھی گھور کے دیکھنے لگے، تو دوران نماز ہی کہنے لگے، ہائے! تمہاری ماں تم کو گُم کرے، کیوں مجھے اس طرح گھور رہے ہو، صحابہؓ نے اشارے سے خاموش کرا دیا، نماز کے بعد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: نماز میں کس نے بات کی؟ میں گھبرایا ہوا حاضر ہوا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میں نے آپ سے بہتر معلم نہیں دیکھا، واللہ نہ آپ نے مجھے مارا، نہ ڈانٹا، نہ برا بھلا کہا، بس شفقت سے سمجھایا کہ نماز بات کرنے کا موقع نہیں ہے۔(مسلم: ۵۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں میں بھی ایک شفقت بھرا واقعہ ملاحظہ فرمایئے:

اسد بن فرات قیروانیؒ نے امام محمدؒ سے ایک دن عرض کیا: حضرت! میں بہت دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ کے پاس طلبہ کی تعداد زیادہ ہے، ہر وقت طلبہ اور عراقی لوگ آپ کو گھیرے رہتے ہیں، میں اپنی مجبوری سے زیادہ دن عراق میں قیام کر نہیں سکتا، میری مشکل کا حل کیا ہے؟ امام محمدؒ نے فرمایا: دن میں عراقی طلبہ کے ساتھ مجلسِ درس میں حاضری دیا کرو، رات کا وقت بطور خاص تمہارے لیے فارغ کروں گا، چنانچہ امام محمدؒ رات میں مجھے سبق پڑھایا کرتے تھے، مجھ پر نیند کا غلبہ ہو جاتا، امام محمدؒ اپنے پاس ایک پیالہ رکھے رہتے، اس پیالے میں سے پانی میرے چہرے پر چھڑکتے اور مجھے بیدار کرتے، میں ہوشیار ہو جاتا، پھر اونگھ آتی، تو پھر پانی چھڑکتے، یہی سلسلہ چلتا تھا، کبھی اکتاہٹ اور بوجھ محسوس نہیں کرتے تھے، اس طریقے سے جو علم میں امام محمدؒ سے حاصل کرنا چاہتا تھا، وہ حاصل کر لیا۔

امام محمدؒ نے ایک دن اسد بن فراتؒ کو سبیل کا پانی پیتے ہوئے دیکھا، تو سمجھ گئے کہ ان کے پاس زادِ راہ ختم ہو چکا ہے، چنانچہ آپ نے اَسّی دینار دئے، جب ''قیروان'' واپسی کا ارادہ کیا، تو اس وقت بھی امام محمدؒ نے زادِ راہ وغیرہ کا انتظام فرما کر روانہ فرمایا۔

(بلوغ الامانی: ۱۵۹)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے ایک امت تیار کی جو ہدایت کے روشن ستارے تھے جن سے عالم بھر میں دینِ اسلام کا نور پھیلا، ایسے ہی علمائے حق نے ہر دور میں اپنے تلامذہ کو اپنے عہد کے رجالِ کار بنایا اور اس کے لیے عمدہ نمونے چھوڑے ہیں، امام اعظمؒ نے ایک جماعت ائمہ کی تیار کی، امام بخاریؒ نے محدثین کی جماعت اپنے

پیچھے چھوڑی اور موجودہ دور کے اکابر میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ نے افراد سازی کا کام کیا اور شیخ الہندؒ نے شاگردوں کو فن کا امام بنا کر چھوڑا۔

آج ان ہی اکابر و بزگان دین کی اِن فکروں کو زندہ کرنے، اس تڑپ و درد کو اپنے اندر پیدا کرنے اور تعلیم و تدریس کو زمانے میں انقلاب برپا کرنے کا ذریعہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

بڑی مسرت و خوشی کا موقع ہے کہ عزیز مکرم مولانا مفتی عبداللطیف صاحب زید علمہ وفضلہ نے بڑی جاں فشانی ومحنت سے اکابر علماء کے تعلیمی و تدریسی تجربات کی روشنی میں ایک مفید مواد جمع فرمایا ہے اور کتاب کا نام ''اساتذہ کا کردار اور چند عملی نمونے'' رکھا ہے، دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول تام نصیب فرمائے، اس کے نفع کو عام فرمائے اور مصنف و مستفیدین کے لیے ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین

(حضرت اقدس مولانا مفتی) محمد اسلم رشادی غفرلہ
مہتمم جامعہ غیث الہدی بنگلور
۶ رجمادی الاخری ۱۴۴۳ھ، ۱۰ رجنوری ۲۰۲۲ء

اساتذہ اور معلمین قوم وملت کے راہ نما

حضرت مولانا مفتی جمال الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی
صدرالمدرسین دارالعلوم حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین امابعد:

اساتذہ اور معلمین قوم وملت کے راہ نما اور رہبر ہوتے ہیں، نسل نو کی تربیت اور اس کی استعداد اور صلاحیتوں کو صحیح اور مثبت رخ دینے میں ان کا نمایاں کردار ہوتا ہے، جیسے ایک باغباں اور مالی باغ کے پیڑ اور پودوں کی حفاظت کرتا ہے اور مسلسل ان کی نگہداشت کرتا ہے، ایسے ہی ایک مثالی معلم واستاذ ملت کے ایک ایک فرد پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے اور اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کر کے اسے معاشرے کا ایک صالح اور مفید عنصر بناتا ہے، اساتذہ قوم وملت کے سرمایے کے محافظ اور نگہبان ہوتے ہیں، معاشرتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور زمانے کے جدید تقاضوں سے نمٹنے کے لیے معلم کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

اساتذہ اور معلمین کی اسی اہمیت کی وجہ سے خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معلم کی حیثیت سے اپنا تعارف کروایا ہے اور ارشاد فرمایا:

انما بعثت معلما۔ (ابن ماجہ:۲۲۹)

میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

قرآن کریم بھی آپ کے فرائض منصبی کو بیان کرتے ہوئے کچھ یوں گویا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. (آل عمران:۱۶۴)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں کے اوپر بڑا احسان فرمایا ہے کہ ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک وصاف بنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے، جب کہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جس انداز میں تربیت فرمائی، وہ اپنی مثال آپ ہے، آپ کی بافیض صحبت اور پختہ تربیت کے نتیجے میں صحابہ کرام میں سے ہر فرد اپنے عہد کا گلِ سرسبد، اقوام عالم کے لیے مینارۂ نور اور نوعِ انسانی کے لیے باعث شرف وافتخار بنا۔

قرآن کریم نے ان پاک باز ہستیوں کو رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کا تمغہ وامتیاز عطا کیا، زبانِ رسالت نے انہیں نجومِ ہدایت قرار دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی تربیت کے نتیجے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جو برگزیدہ جماعت تیار ہوئی، زمانہ کتنی ہی کروٹیں بدلے، ان کی نظیر لانے سے قاصر ہے۔

اساتذہ اور معلمین معاشرے کی تعمیر میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں؛ اس لیے ان کے کاندھے پر ذمہ داریاں بھی کافی زیادہ ہیں، ان ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھانا اساتذہ کے لیے ضروری اور ناگزیر ہے، اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کی سیرت سازی پر خاص توجہ دیں، انہیں ایک ذمہ دار اور فرض شناس شہری بنائیں، ان کے دلوں میں بلند نصب العین اور عرش پیما مقاصد کے حصول کے لیے جستجو، جوش اور ولولہ پیدا کریں، ایک مثالی معلم کا فرض ہے کہ وہ طلبہ کو اسلامی تہذیب وثقافت کے حوالے سے غیور اور حمیت پسند بنائے اور دین وایمان کا داعی اور علم بردار بنائے۔

آج کے اس پرفتن اور مہیب دور میں جہاں بہت سے شعبے انحطاط پذیر اور زوال آمادہ ہیں، وہیں استاذ اور شاگرد کا پاکیزہ رشتہ بھی حد درجہ متاثر ہوا ہے، اب نہ شاگردوں کے دلوں میں اساتذہ کی وہ عزت اور مقام ہے جس کے وہ صحیح معنوں میں مستحق اور حق دار ہیں اور نہ اساتذہ میں خلوص اور دیانت داری کا وہ قیمتی جوہر باقی رہا جو ان کو محنت وجاں فشانی اور مسلسل جستجو ولگن پر آمادہ رکھتا تھا اور طلبہ کی کردار سازی کے لیے انہیں بے تاب

رکھتا تھا۔

آج تعلیمی شعبے پرتن آسانی اورتن پروری کی گہری چھاپ پڑ گی ہے،جس کی وجہ سے تعلیم آج ایک قابل فروخت شیٔ ہوچکی ہے،ضرورت تھی کہ اس تعلق سے ایک ایسی تحریرمرتب کی جائےجس میں معاشرے کےاندراساتذہ کامقام اوران کےمرتبہ کواجاگرکیا گیاہواوران کی ذمہ داریوں کو بیان کیا گیاہو؛تاکہ استاذ وشاگرد کا پرتقدس رشتہ بحال اورقوم وملت کی زبوں حالی اورفسوں کاری کا خاتمہ ہو۔

بہت خوشی ومسرت کی بات ہے کہ عزیز مکرم مولانامفتی عبداللطیف صاحب قاسمی زاداللہ علمہ وفضلہ استاذ جامعہ غیث الہدی بنگلورجن کے قلم گل ریز سے متعدد کتابیں نکل چلی ہیں اورعوام الناس اوراہل علم کے حلقوں میں پذیرائی حاصل کرچکی ہیں،انہوں نے اس جانب اپنی توجہ مبذول کی اورحضرات فقہاءومحدثین اوربرصغیر کے مشاہیرعلماء کے سبق آموز واقعات کی روشنی میں اساتذہ کا مقام اوران کی ذمہ داریوں کوواضح کیا، آخرمیں حضرت مولاناسلیم اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ،حضرت مولانا قاری امیرحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ،حضرت مولاناتقی عثمانی صاحب اورحضرت مولانارفیع عثمانی صاحب زیدمجدہم کےافادات کواچھےاوردل کش انداز میں ترتیب دیاہے۔

امید ہے کہ یہ رسالہ مؤلف کی دیگرتالیفات کی طرح ہاتھوں ہاتھ لیاجائےگا،ذوق وشوق سے اسے پڑھاجائےگا اورمعاشرے میں اساتذہ کی عزت اوروقات کو بحال کرنے میں یہ رسالہ نشانِ راہ کا کام دےگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعاہے کہ مؤلف کےقلم کوتادمِ حیات سیال اوررواں رکھے، ان کی تحریروں کوشرفِ قبولیت سےنوازےاورآئندہ بھی اس طرح کی تالیفات کی توفیق ارزانی نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین

(حضرت مولانامفتی)محمدجمال الدین قاسمی(مدظلہ)

دارالعلوم حیدرآباد ۲۹رصفرالمظفر ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۷/۱۰/اکتوبر ۲۰۲۰ء

استاذ کا کردار در حقیقت انسانوں کو انسان بنانے کا عظیم فریضہ

حضرت اقدس مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم
استاذ حدیث وفقہ و مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

حامداومصلیا، امابعد: ''اساتذہ کا کرداراور چند عملی نمونے'' تالیف عزیز محترم جناب مولانا عبداللطیف قاسمی صاحب زیدمجدہ ایک ضرورت کے موضوع پر لکھی گئی کتاب ہے، استاذ کا کردار در حقیقت انسانوں کو انسان بنانے کا عظیم فریضہ ہے، انسانوں کی تربیت، یاافرادسازی کا یہ عمل حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی جانشینی کا عمل ہے ،اس کا سب سے خوبصورت اور کامل نمونہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہی ہیں اور سب سے بڑھ کر سیدالاولین والاخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جنہوں نے ''انما بعثت معلما'' فرما کر اس ذمہ داری کو وقار عطا کیا ہے، اب ہر معلم کی سعادت اور کامیابی اسی میں ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش ہدایت پر گامزن ہو۔

اس کتاب میں مؤلف نے اسی قسم کے کچھ اوصاف اوران کے حامل اساتذہ کرام کے کچھ عملی نمونے جمع کئے ہیں جو بلاشبہ حرزِ جان بنانے کے لائق ہیں، ساتھ ہی اس موضوع پر چند اکابر علماء کی تقاریر کو بھی کتاب کا جزء بنادیا ہے، مجموعی اعتبار سے یہ کتاب اس موضوع پر ایک اچھا اضافہ ہے، دعا ہے کہ اللہ رب العزت مؤلف موصوف کو مزید علمی ودینی خدمات کی توفیق سے نوازے اوراس کتاب کو قبول عام عطاء کرے۔آمین۔والسلام

(حضرت اقدس مولانا) محمد سلمان عفااللہ عنہ
خادم تدریس دارلعلوم دیوبند
شنبہ ۱۳/شعبان ۱۴۴۲ھ

طلبہ کی ترقی میں اساتذہ کا کردار اوران کےعلوم وفیوض کا اظہار

الحمدلله رب العالمین ،الذی ارسل الینا نبی الامیین ،وانزل علیه الکتاب المبین ،الذی یرفع به اقواما ،ویضع به آخرین ،والصلوة والسلام علی من بعث معلما ،واوتی علم الاولین والآخرین محمدبن عبدالله الامین ،وعلی آله واصحابه هداة الحق والیقین،وعلی من تبعهم باحسان الی یوم الدین، امابعد:

فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم ،بسم الله الرحمن الرحیم :یرفع الله الذین آمنوا منکم، وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ. (المجادلۃ:۱۱)

وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: انما بعثت معلما. (سنن داری:۳۶۱)

حضرات علماءکرام، مدارس دینیہ کے ذمہ دارانِ عالی مقام!

ہم سب جانتے ہیں کہ تعلیم وتربیت فریضہءخداوندی اورسنت نبوی ہے، ہماری سعادت مندی وخوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نےہمیں دینی تعلیم وتعلم کے لیے قبول فرما کر فرمان نبوی:

"**خیر کم من تعلم القرآن وعلمه**" (بخاری:۵۰۲۷)

کی مبارک جماعت میں شامل فرمایاہے۔

نیز ارشادنبوی صلی اللہ علیہ وسلم :"**انمابعثت معلما**" کے ساتھ ملحق فرمایاہے، اللہ رب العزت سے دعافرمائیں کہ قیامت کے دن بھی اسی بابرکت ومقدس جماعت کے ساتھ حشرفرمائے۔آمین

اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت پرہم جس قدربھی شکرادا کریں کم ہے کہ اس نےہمیں امت مسلمہ کےنونہال وکم سن بچوں کے لیے دینی تعلیم اوردین کی دیگرمختلف خدمات کی توفیق بخشی ہے۔

یہی بچے مستقبل میں حافظ قرآن، عالم دین، مفتیٔ شریعت، داعیٔ دین اور مجاہد اسلام بن کر فرمان نبوی:

اذامات الانسان انقطع عمله عنه الامن ثلث الامن صدقة جارية ،او علم ينتفع به او ولدصالح يدعوله. (مسلم:۱۶۳۱)

کے مطابق۔ان شاء اللہ۔ مذکورہ حدیث کی تینوں صورتوں کے اعتبار سے ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنیں گے۔

تعلیم ایک عبادت، لازوال نعمت، عرفانِ حق اور خداشناسی کا ایک زینہ، دنیا و آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا وسیلہ ہے، معاشرے کے اجتماعی شعور اور انفرادی تشخص کے ارتقا کا زیادہ تر انحصار اساتذہ کے کردار پر ہوتا ہے، نظامِ تعلیم میں اساتذہ کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے، کوئی بھی نظامِ تعلیم محنتی و مخلص اساتذہ کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا، ہر دور میں اساتذہ کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، اساتذہ ہی نوعِ انسانیت کی تعمیر کرتے ہیں اور تعلیم کے معیار کو بلند و پست کرنے، طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے، اخلاق و کردار کو سنوارنے اور ان کی دنیا و آخرت بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

والدین اور اساتذہ کے مابین کلیدی فرق و امتیاز یہی ہے کہ ماں باپ بچوں کی مادی، ظاہری اور جسمانی ضروریات پوری کرتے ہیں، جب کہ مشفق و مہربان اساتذہ اپنے طلبہ عزیز کی باطنی، قلبی اور روحانی تربیت کرتے ہیں، باصلاحیت معلم اور جوہر شناس استاذ کی نظر ہمہ وقت اپنی روحانی اولاد کی سیرت و کردار سازی پر رہتی ہے۔

ہر طالب علم استاذ کے پاس ایک قیمتی امانت ہے، اس امانت کی صحیح حفاظت استاذ کے لیے دنیوی اور اخروی کامیابی کی ضامن ہے، والدین اور ذمہ داران مدرسہ؛ بلکہ خود طالب علم استاذ کو اپنا مربی، مصلح اور معلم سمجھ کر اپنے آپ کو سپرد کردیتا ہے۔

لہٰذا استاذ کو چاہئے کہ طالب علم کی شخصیت کو مثالی اور اس کی زندگی کو قیمتی بنانے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو صرف کرے، اس لیے کہ یہی طلبہ عزیز دنیا میں اپنے استاذ کے نام کو روشن اور اپنے استاذ کے علوم و فیوض کو عام کرتے ہیں، نیز استاذ کے لیے صدقہ

جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلاف نے اپنے لائق و فائق تلامذہ کے لیے درس وتدریس، تفہیم و تشریح، تعلیم وتربیت کے لیے بے پناہ قربانیاں دی ہیں، غرض یہ کہ ہر محدث جلیل، مفسر عظیم، فقیہ زماں، شیخ طریقت اور ماہرِ فن کے کمال کے پسِ پردہ ضرور بالضرور استاذ کی صالحیت، صلاحیت، محنت، شفقت ومحبت اور توجہات کو بڑا دخل رہا ہے۔

زیرنظر کتاب میں اسلامی تاریخ کے چند ممتاز محدثین و نامور فقہاء اور فنِ رجال سازی کے ماہر اساتذۂ کرام کے مختصر و چنندہ احوال اور طلبہ پر عنایتوں کے واقعات کو بطور نمونہ ذکر کیا گیا ہے، جنھوں نے ذی استعداد شاگروں کی کھیپ تیار کی، جو اپنے لائق شاگروں کے لیے دل سوزی و ہم دردی، ان کی تربیت و استعداد سازی کے لیے غیر معمولی فکرمندی، اولاد کی طرح ان کی مادی و معنوی پرورش کے لیے تدبیریں کرتے تھے؛ تاکہ طلبہ عزیز کے ساتھ ان کی شفقتوں، محبتوں اور محنتوں کا پہلو واضح ہو، نیز اساتذہ کے علوم کی حفاظت اور اشاعت کا پہلو بھی نمایاں ہو سکے۔

فقیہِ مدینہ قاسم بن محمد بن سیدنا ابوبکر صدیقؓ

نام ونسب

آپ کا نام قاسم بن محمد بن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے، ابومحمد کنیت ہے، آپ کی ولادت حضرت علیؓ کی خلافت کے دور میں ہوئی، بچپن میں یتیم ہو گئے، پھوپی جان ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے تعلیم وتربیت فرمائی، علم وعمل سے آراستہ وپیراستہ کیا۔

(سیر اعلام النبلاء ۵/ ۵۳)

حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت عائشہؓ ہمارے سروں کا حلق کراتیں، نہلاتیں، عیدگاہ روانہ فرماتیں، جب ہم عید سے فارغ ہوکر آتے، تو ہمارے سامنے قربانی کا جانور ذبح کراتیں۔

(طبقات ابن سعد ۵/ ۱۸۵)

حضرت عائشہؓ کا یتیم بھتیجہ جو یزدجر کی بیٹی سودہ کے بطن سے تھا جو جدید الاسلام تھیں، اپنے شوہر محمد بن ابوبکر صدیق کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گذار سکیں تھیں، اسلامی ماحول وفضا ان کے لیے نئی تھی اور بچہ یتیم ہو چکا تھا، حضرت عائشہؓ نے اپنی آغوشِ تربیت میں لے کر ان کی اس طرح تربیت فرمائی کہ وہ یتیم بچہ اپنے زمانے کا بڑا عالم وفقیہ، زاہد ومتقی، اپنی پھوپی کے علم کا جانشین، اپنے زمانے کا امام اور مرکز اسلام مدینہ طیبہ کے فقہائے سبعہ میں شامل ہو گیا، اس یتیم کا زہد وتقوی، علم وعمل اور حسب ونسب کا زمانے نے اعتراف کیا۔ سبحان تیری قدرت! اصدیق کی برکت! اماں جان کی تربیت!

سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں:

اعلم الناس بحدیث عائشة رضی اللہ عنہا ثلاثة، القاسم، وعروة، وعمرة.

(سیر اعلام النبلاء ۵/ ۵۳)

حضرت عائشہؓ کی احادیث تین حضرات زیادہ جانتے ہیں۔

مدینہ منورہ کے مشہور فقہائے سبعہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔
حافظ ابن القیمؒ ’’اعلام الموقعین‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

اذا قیل من فی العلم سبعۃ ابحر روایتھم لیست عن الخارجۃ.
فقل: ھم عبیداللہ، عروۃ، قاسم سعید، ابوبکر، سلیمان، خارجہ.

(اعلام الموقعین ۱/ ۲۴)

حضرت قاسم بن محمدؒ کے دادا حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ، فارس کے آخری فرما روااں یزدجر کی بیٹی آپ کی ماں اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی پھوپی ومربی ہیں، ان تمام ظاہری شرافتوں کے ساتھ آپ علم کے سمندر، عمل کے پیکر، متبعِ سنت اور کبار تابعین میں سے ہیں، روزانہ مسجد نبوی میں تشریف لے آتے، دو رکعت نماز ادا فرماتے، پھر حجرۂ عائشہ اور منبر رسول کے درمیان ’’خوخہ عمر‘‘ کے پاس حدیث کا حلقہ لگاتے، یہی جگہ زندگی بھر آپ کے درسِ حدیث کی تھی، آپ کے بعد اس جگہ پر آپ کے ہونہار فرزند عبدالرحمن بن قاسمؒ کا درس حدیث ہوا کرتا تھا۔

(اعلام الموقعین، طبقات ۵/ ۱۸۸)

حافظ شمس الدین ذہبیؒ تحریر فرماتے ہیں:

قتل ابوہ، فربی یتیما فی حجر عمتہ، فتفقہ بھا، قال یحی بن المدینی: لہ مأتا حدیث. (سیر اعلام النبلاء ۵/ ۵۳)

یحی بن المدینی فرماتے ہیں: حضرت قاسم بن محمدؒ کی دو سو حدیثیں ہیں۔
دقیق ومشکل مسائل کو حل کرنے میں یدطولیٰ حاصل تھا، احادیث لفظ بلفظ روایت کرتے تھے۔

ابو زیاد کہتے ہیں: میں نے قاسم بن محمدؒ سے بڑا محدث اور عالم بالسنہ نہیں دیکھا۔
(تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۷۴)

دیانت وتقویٰ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی وفات کے موقع پر فرمایا: اگر مجھے خلافت سے متعلق کچھ اختیار ہوتا، تو میں خلافت قاسم بن محمدؒ کے سپرد کردیتا، جب قاسم بن محمدؒ کو یہ

بات پہنچی تو، فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پر رحم فرمائے، قاسم بن محمد اپنے گھر والوں کی ذمہ داری کو سنبھال نہیں سکتا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی باگ ڈور کیسے سنبھالے گا؟ (الطبقات الکبری ترجمہ عمر بن عبدالعزیز ۵/ ۳۴۴)

آپ کے والد محمد بن ابوبکر قاتلین عثمانؓ میں سے تھے، آپ کو اس کا افسوس تھا، آپ سجدے کی حالت میں اپنے والد کے لیے دعا کرتے ہوئے کہتے کہ اے اللہ! حضرت عثمان کی شہادت کے سلسلے میں میرے والد کو معاف فرما۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان)

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو اپنے بیٹے کو اپنا نماز والا لباس قمیص، ازار اور چادر عطا فرمائی اور فرمایا: ان ہی کپڑوں میں جن کو پہن کر میں نماز پڑھا کرتا تھا، دفن کر دینا، صاحب زادے نے عرض کیا: ابا جان نئے کپڑوں میں کفن دے دوں گا، فرمایا: دادا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا کفن بھی ایسا ہی تھا، زندہ انسان نئے کپڑوں کا زیادہ محتاج ولائق ہے۔ (الطبقات الکبری ۵/ ۱۹۳)

آپ کی مرویات

صحیح بخاری میں تیس، مسلم میں بتیس، ابوداؤد میں بائیس، ترمذی میں آٹھ، نسائی میں بتیس، ابن ماجہ میں چودہ اور مسند احمد میں بہتر مقامات میں عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابیہ عن عائشۃ اور عن القاسم عن عائشۃ کی سند سے مذکورہ کتبِ حدیث میں تقریباً دوسو سے زائد روایات مروی ہیں، دیگر کتبِ حدیث میں بھی بے شمار احادیث مذکورہ سند سے مروی ہیں۔ (یہ بندۂ ناچیز کا ناقص تتبع ہے)

اساتذہ

حضرت قاسم بن محمدؒ نے حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمرو، رافع بن خدیج، اپنی دادی اسماء بنت عمیس اور فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔

تلامذہ

آپ سے بے شمار جلیل القدر تابعین نے احادیث روایت کی ہیں، جن میں حضرت سالم بن عبداللہ، نافع مولی ابن عمر، آپ کے فرزند عبدالرحمن بن قاسم، ابن شہاب زہری، امام شعبی، یحی بن سعید انصاری، ابوبکر بن محمد بن عمرو، ربیعۃ الرای، اسامہ بن زید لیثی، سلیمان بن عبدالملک رحمہم اللہ ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۵/ ۵۳)

وفات

ستر یا بہتر سال کی عمر میں آپ کی وفات مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان مقام قدید میں حج یا عمرے کے سفر کے دوران ۱۰۸ھ یا ۱۱۱ھ یا ۱۱۲ھ میں (علی اختلاف الا قوال) ہوئی، آپ کے صاحب زادے عبدالرحمن بن قاسمؒ نے آپ کو مقام ''مشلل'' میں لے جا کر دفن کیا۔ (حلیۃ الاولیاء ۲/ ۱۶۹، الطبقات الکبری ۵/ ۱۹۳)

فقیہ مدینہ تابعی کبیر حضرت عروۃ بن زبیر بن عوامؒ

حضرت عروۃ بن زبیر بن عوامؒ آپ کا اسم گرامی ہے، ابوعبداللہ کنیت ہے، آپ کی ولادت ۲۶ ھ میں ہوئی، آپ کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، آپ کی والدہ ذات النطاقین اسماء بنت ابوبکرؓ، آپ کے نانا سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور آپ کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا ہیں۔

حضرت عروہؒ کبار تابعین اور مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں، ثقہ، عالم، فقیہ اور محدث تھے، بکثرت روزہ رکھا کرتے تھے، روزے ہی کی حالت میں وفات ہوئی، روزانہ ایک چوتھائی قرآن شریف کی دیکھ کر تلاوت فرماتے، اسی حصے کو نمازِ تہجد میں پڑھا کرتے، یہ معمول زندگی بھر کبھی فوت نہیں ہوا۔

عمر کے آخری زمانے میں آپ کے پیر میں ایک بیماری پیدا ہوئی جس کی وجہ سے پیر کاٹنے کی نوبت آئی، اطباء اور معالجین نے کہا کہ آپ شراب پی لیں، ہم پیر کاٹ دیں گے، آپ کو تکلیف کا احساس نہیں ہوگا، آپ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، اسی حال میں پیر کاٹا گیا، آپ تسبیح میں لگے رہے، آپ کو احساس بھی نہیں ہوا، پیر کاٹ دیا گیا اور خون روکنے کے لیے داغ بھی لگا دیا گیا، صرف اس ایک رات نماز تہجد اور اس کی تلاوت چھوٹ گئی۔

(تذکرۃ الحفاظ، سیر اعلام النبلاء ۵/ ۲۵۴)

حصول علم

آپ نے کئی حضرات صحابہ ٔکرام سے علم حاصل کیا، اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے بطور خاص علم حاصل کیا ہے اور آپ کی خصوصی تربیت پائی ہے۔

آپ کے ساتھی قبیصہ بن ذویبؒ کہتے ہیں:

كان عروة بن الزبير يغلبنا بدخوله على عائشة ,وكانت عائشة اعلم الناس ،فيسألها الاكابر من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(تاریخ ابن عساکر، حرف العین، عروۃ بن زبیر)

ہم لوگ مسجد نبوی میں بہت سارے حضرات صحابہ سے علم حاصل کرتے تھے جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں، حضرت عائشہؓ سے استفادہ کرنے میں حضرت عروہؒ ہم سے سبقت لے جاتے تھے اور حضرت عائشہؓ بہت بڑی عالمہ تھیں، اکابر صحابہ آپ سے مسائل معلوم کرتے تھے۔

حضرت عروہؒ حضرت عائشہؓ کے علم کے امین

حافظ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں:

روی عن امه، وعن خالته ام المؤمنين عائشة، ولازمها، وتفقه بها.

(سیر اعلام النبلاء ۵/۲۴۹)

حضرت عروہؒ نے اپنی والدہ اور خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے، حضرت عائشہؓ کی خدمت میں زیادہ وقت گذارا ہے اور ان ہی سے دین کا علم حاصل کیا ہے۔

سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں:

اعلم الناس بحديث عائشة رضي الله عنها ثلاثة، القاسم، وعروة، وعمرة.

(سیر اعلام النبلاء، ترجمۃ القاسم بن محمد ۵/۴۰۷)

حضرت عائشہؓ کی احادیث تین حضرات زیادہ جانتے ہیں۔

امام زہری فرماتے ہیں:

عروة بحر لا ينزف. (تذکرۃ الحفاظ ۱/۵۰)

عروة بحر لا تكدره الدلاء. (سیر اعلام النبلاء ۵/۲۵۱)

عروہ علم کا سمندر ہیں، عروہ علم کا ایسا سمندر ہیں کہ ڈول جس کے پانی کو گدلا نہیں کرسکتے۔

حضرت ہشام فرماتے ہیں:

فو الله ماتعلمنا جزءا من الف جزء من احاديثه. (تاریخ ابن عساکر ۴/۲۳۹)

قسم بخدا ہم نے والد محترم کی احادیث اور علم کے ہزار حصوں میں سے ایک حصہ

بھی حاصل نہیں کیا۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے علم حدیث ہی نہیں؛ بلکہ اشعار بھی یاد کیئے تھے۔

ابوالزنادؒ فرماتے ہیں:

میں نے حضرت عروہؓ سے زیادہ اشعار کہنے والا کسی کو نہیں دیکھا، آپ سے پوچھا گیا:

ما اروٰك یا عبد الله!

اے ابوعبداللہ! آپ کو اشعار کہنا کس نے سکھادیا؟

حضرت عروہؓ نے فرمایا:

وما روایتی الا من روایة عائشة، ما کان ینزل بها شیء الا انشدت فیه شعرا.
(سیر ۵/۲۵۱)

میرے جو بھی اشعار ہیں، ان کو بھی میں نے حضرت عائشہؓ سے سیکھا ہے، حضرت عائشہؓ کو کوئی مسئلہ پیش آتا، تو اس میں کوئی شعر ضرور کہتی تھیں۔

آپ خود فرماتے ہیں:

لقد رأیتنی قبل موت عائشة اربع حجج ، وانا اقول: لو ماتت الیوم، ماندمتُ علی حدیث عندها الا و قد وعیته. (سیر اعلام النبلاء ۵/۲۵۱)

حضرت عائشہؓ کی وفات سے چار سال قبل ہی میں سوچتا تھا: اگر آج بھی حضرت عائشہؓ کی وفات ہوجائے، تو ان کی کسی حدیث کے چھوٹنے پر مجھے افسوس نہیں ہوگا، اس لیے کہ میں نے ان کی تمام احادیث جمع کر لی ہیں۔

فقیہِ مدینہ

مدینہ منورہ کے مشہور فقہائے سبعہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

حافظ ابن القیمؒ ''اعلام الموقعین'' میں تحریر فرماتے ہیں:

اذا قیل: من فی العلم سبعة ابحر روایتهم لیست عن الخارجة.

فقل: هم عبید الله، عروة، قاسم سعید، ابو بکر، سلیمان، خارجه.

(اعلام الموقعین ۱/۲۴)

حضرت عروہؒ کو یہ علمی شان ورفعت حضرت عائشہؓ کی صحبت وتربیت اور خصوصی توجہ کی بنا پر حاصل ہوئی۔

تعلیم وتربیت کا شوق

آپ کے لڑکے ہشام بن عروہؒ فرماتے ہیں:

میرے والد فرمایا کرتے تھے کہ علم حاصل کرو، لوگوں کے سردار اور ان کا مرجع بنو گے، میرے والد: عبداللہ، عثمان، علی اور مجھ سے ارشاد فرمایا کرتے تھے، جب عوام اور عام طلبہ میرے پاس نہ ہوں، تو مجھ سے علم حاصل کرلیا کرو، چنانچہ ہم فرصت کو غنیمت سمجھ کر آپ سے علم حاصل کرتے، آپ ہمیں حدیثیں سناتے، پھر فرماتے: ان احادیث کو میرے سامنے دہراؤ اور ان کا تکرار کرو، ہشامؒ فرماتے ہیں: میرے والد محترم کو میرا قوت حافظہ بہت پسند تھا، اس لیے کہ میں سنی ہوئی احادیث کو جلد سنادیا کرتا تھا۔

(تاریخ ابن عساکر عروہ بن زبیر ۲۴۱/۴)

کتب ستہ میں عروۃ عن عائشۃؓ کی سند سے روایات

صحیح بخاری میں ساٹھ، مسلم میں چھتیس، ابوداؤد میں سینتیس، ترمذی میں چوالیس، نسائی میں چونتیس، ابن ماجہ میں پچاس اور مسند احمد میں انہتر مقامات میں عروہؒ عن عائشہؓ کی سند سے مذکورہ کتب حدیث میں تقریباً سوا تین سو سے زائد روایات مروی ہیں، دیگر کتب حدیث میں بھی بے شمار احادیث مذکورہ سند سے مروی ہیں۔

اساتذہ

حضرت عروہ بن زبیرؒ نے اپنے والد حضرت زبیر، علی بن طالب، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو، حکیم بن حزام، ابوایوب انصاری، اسامہ بن زید، ابوھریرہ، مغیرہ بن شعبہ عبداللہ بن ارقم، مسور بن مخرمہ، بھائی عبداللہ بن زبیر، والدہ اسماء بنت ابی بکر اور خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کی ہے۔

تلامذہ

آپ سے بے شمار جلیل القدر تابعین نے احادیث روایت کیں ہیں، جن میں امام زہری، آپ کے لڑکے ہشام بن عروہ، عمر بن عبدالعزیز، ابن ابی ملیکہ، عطابن رباح، ابراہیم تیمی مروان بن حکم رحمہم اللہ ہیں۔ (تھذیب التھذیب)

وفات

''ربذہ'' کے قریب مقام 'فرُع'' میں روزے کی حالت میں ۹۴ھ میں وفات پائی۔

سید الفقہاء قاضی امام ابو یوسف انصاریؒ

آپ کا نام یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن بجیر بجلی ہے، کنیت ابو یوسف ہے، اسی نام سے مشہور ہیں، آپ کے جدامجد سعد بن بجیر صحابئ رسول ہیں، جن کا تعلق قبیلہ اوس سے ہے، آپ کی ولادت مرکزِ علم کوفہ میں ۱۱۳ھ میں ہوئی۔

(سیر اعلاء النبلاء ۷ / ۴۰۷، حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی: ۷۲)

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

میرے دادا سعد بن بجیر، رافع بن خدیج اور ابن عمرؓ وغیرہ کو کم عمری کی وجہ سے ''غزوۂ احد'' میں شرکت کی اجازت نہیں ملی؛ البتہ غزوۂ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں شرکت کا موقع ملا ہے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر سعد بن بجیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ علیہ السلام نے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائے مغفرت فرمائی، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پھیرنے کی برکت کا اثر اب تک ہمارے خاندان میں موجود ہے۔

سعد بن بجیر کسی موقع پر ''کوفہ'' منتقل ہو گئے، کوفہ ہی میں ان کی وفات ہوئی، حضرت زید بن ارقمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، حضرت سعد بن بجیرؓ کی اولاد ''کوفہ'' میں مقیم رہی؛ یہاں تک کہ امام ابو یوسفؒ کی ولادت بھی ''کوفہ'' ہی میں ہی ہوئی۔

(اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی: ۷۳)

تحصیلِ علم

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

میں علمِ حدیث اور علمِ فقہ حاصل کرتا تھا، تنگ دست اور مالی اعتبار سے پریشان حال رہتا تھا، میں ایک دن امام ابو حنیفہؒ کے درس میں شریک تھا کہ میرے والد محترم

آئے، مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور فرمایا: امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ پیر مت پھیلاؤ، امام ابوحنیفہؒ امیر آدمی ہیں اور تم روزی روٹی کے محتاج ہو، میں نے اپنے والد کی اطاعت کرتے ہوئے کسبِ معاش میں مشغول ہوگیا، امام ابوحنیفہؒ مجھے درس میں تلاش کرتے رہے، اس لیے کہ میں سبق میں اہتمام سے شرکت کرتا تھا، چند دن بعد دوبارہ سبق میں حاضر ہوا، تو آپ نے سبق سے غیر حاضر ہونے کی وجہ دریافت فرمائی، میں نے اپنا قصہ سنایا، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: تم تحصیلِ علم میں لگے رہو، جب سبق مکمل ہوا اور تمام ساتھی رخصت ہوگئے، تو آپ نے مجھے ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں ایک سو درہم تھے، فرمایا: ان کو خرچ کرو، جب ختم ہوجائیں تو مجھے بتاؤ، میں نے کبھی اپنا حال عرض نہیں کیا، اس کے باوجود تھوڑے تھوڑے وقفے سے مجھے درہم کی تھیلی دیا کرتے تھے؛ یہاں تک کہ میں خود کفیل اور صاحبِ حیثیت ہوگیا۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، سیر اعلام ۷/۴۷۰)

مشفق ومہربان استاذ نے اپنے ہونہار تنگ دست طالب کی دینی تعلیم اور ترقی کے لیے کفالت کی ذمہ داری قبول فرمائی اور اس ذمہ داری کو خود کفیل ہونے تک نبھاتے رہے، معاشی اعتبار سے ایک کمزور بچے کو آسمانِ علم کا روشن ستارہ بنادیا۔

اولئك آبائي، فجئني بمثلهم.

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ امام ابویوسفؒ کے والد کا انتقال ہوگیا تھا، والدہ نے ایک دھوبی سے نکاح کرلیا تھا، علامہ زاہد کوثریؒ نے اس واقعے کو بے اصل قرار دیا ہے۔ (حسن التقاضی:۶۷)

امام ابویوسفؒ کا مقام ومرتبہ

آپ فقیہ، محدث، مغازی وتاریخ عرب کے ماہر اور امام ابوحنیفہؒ کے علوم کے امین وناشر ہیں، خلافتِ بنوعباسیہ کے تین خلفاء: مہدی، ہادی اور ھارون رشید کے زمانے میں تقریباً سولہ سال ۱۶۶ھ تا ۱۸۲ھ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) رہے۔ (حسن التقاضی:۱۷)

امام الجرح والتعدیل یحی بن معینؒ فرماتے ہیں:

"مارأيت في اصحاب الرأى اثبت في الحديث ،ولاحفظ ،ولااصح

روایۃ من ابی یوسف علیہ الرحمۃ **"۔** (سیر ۷/۴۷۰)

میں نے فقہاء میں حدیث میں سب سے زیادہ مضبوط، الفاظِ حدیث کو زیادہ یاد رکھنے والا اور سب سے بہترین روایت پیش کرنے والا امام ابو یوسفؒ سے بڑھ کر کسی شخص کو نہیں دیکھا۔

عمر بن حمادؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

ایک دن میں ابو حنیفہؒ کی مجلس میں تھا، امام ابو حنیفہؒ کی داہنی طرف امام ابو یوسفؒ اور بائیں جانب امام زفرؒ بیٹھے ہوئے کسی مسئلے میں بحث کررہے تھے، امام ابو یوسفؒ زیر بحث مسئلے میں کوئی دلیل پیش کرتے، امام زفر فوراً اس دلیل کو رد کردیتے، امام زفرؒ کوئی دلیل پیش کرتے، امام ابو یوسفؒ اس کا جواب دے دیتے، یہی سلسلہ جاری رہا؛ یہاں تک کہ نماز ظہر کی اذان ہوگئی، امام ابو حنیفہؒ نے امام زفرؒ کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

لاتطمع فی رئاسۃ ببلدۃ فیھا ابو یوسف، وقضی لابی یوسف اے زفر! جس شہر میں ابو یوسف ہوں، وہاں ان سے سبقت کرنے کی کوشش نہ کرو، یہ کہہ کر امام ابو حنیفہؒ نے امام ابو یوسفؒ کے حق میں فیصلہ فرمادیا۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ)

اساتذہ

حافظ شمس الدین ذہبیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"حدث عن ھشام بن عروۃ، ویحی بن سعید الانصاری، وعطاء بن السائب، وحجاج بن ارطاۃ، وابی حنیفہ رحمھم اللہ، ولزمہ، وتفقہ بہ، وھو انبل تلامذتہ، واعلم"۔ (سیر اعلام النبلاء ۷/۴۷۰)

امام ابو یوسفؒ نے ہشام بن عروۃ، یحی بن سعید انصاری، عطاء بن سائب، حجاج بن ارطاۃ اور دیگر متعدد محدثین وفقہاء سے علم حاصل کیا ہے بطور خاص امام ابو حنیفہؒ سے علم حاصل کیا، آپ امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ قابل، سب سے زیادہ علم والے اور آپ کے علوم کے وارث، وامین اور ناشر ہیں۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

"صحبت اباحنیفة علیہ الرحمۃ سبع عشرة سنة لاافارقه فی فطر، ولااضحی الا من مرض". (سیر اعلام النبلاء ۷/۴۰۷، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ)

میں امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں سترہ سال رہا، کبھی بیماری کے بغیر غیر حاضر نہیں ہوا؛ یہاں تک کہ عید اور بقرۂ عید میں بھی آپ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: میں انتیس سال امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں پہنچ کر صبح کی نماز ادا کرتا تھا، ایک دن بھی میری نماز فوت نہیں ہوئی۔ (حسن التقاضی:۷۶)

علامہ زاہد کوثریؒ فرماتے ہیں: سترہ سال مکمل وقت فارغ کر کے امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں گزارا، بقیہ مدت جزئی اوقات میں استفادے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

لڑکے کی وفات پر بھی درس میں حاضری

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: ایک دن میرے بیٹے کا انتقال ہوگیا، میں نے پڑوسیوں کو تجہیز وتکفین، تدفین اور دیگر امور کی ذمہ داری دے کر امام ابوحنیفہؒ کے سبق میں حاضر ہوگیا، بیٹے کی وفات کے باوجود سبق سے غیر حاضری نہیں کی۔ (حسن التقاضی:۷۶)

فائدہ

کس قدر مخلص، ہم درد، مشفق ومہربان اور محنتی استاذ!، کیا خوب وفا شعار، علم کا جویا، علم کا دیوانہ، استاذ کی عقیدت، عظمت اور محبت میں سرشار طالب علم!، نہ موجودہ زمانے کی طرح اقامتی وغیر اقامتی مدارس، نہ تنخواہ دار اساتذہ کے اصول وضوابط، اس کے باجود استاذ وشاگرد کا رشتہ ورابطہ اتنا مضبوط کہ اولاد کی تجہیز وتکفین کی مشغولی بھی سبق سے غیر حاضری کی اجازت نہیں دیتی تھی، نہ سرد وگرم ایام نمازِ فجر میں مجلس درس میں شرکت سے مانع، استاذ کی محنت، کوشش، محبت وشفقت، طالب علم کی استقامت وسعی پیہم نے امام ابوسف کو امام الائمہ اور قاضی القضاۃ کے مقام تک پہنچایا۔

علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں، یہ مردوں کی شمشیریں

اور فرماتے ہیں:

”ما كان في الدنيا مجلس اجلسه احب الى من ابى حنيفه عليه الرحمة وابن ابى ليلى، فانه ما رأيت فقيها افقه من ابى حنيفة، ولا قاضيا خيرا من ابن ابى ليلى“۔

(اخبار ابی حنیفہ واصحابہ)

دنیا میں کوئی مجلس ایسی نہیں ہے جس میں مجھے بیٹھنے کی خواہش اور تمنا ہو سوائے امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کی مجلس کے، اس لیے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑا فقیہ اور قاضی ابن لیلیٰؒ سے بڑا قاضی نہیں دیکھا۔

استاذِ محترم کی توجہات اور وصیت نامے کی تحریر

امام ابوحنیفہؒ نے جب دیکھا کہ اپنے ہونہار شاگرد رشید میں اصلاحِ خلق، امت کی رہبری اور رہنمائی کی استعداد پیدا ہوگئی، تو امام ابو یوسفؒ کے لیے ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا ہے، جو نہایت قیمتی ہے، عبادات، تعلیم وتربیت، حسنِ اخلاق، ازدواجی زندگی کے رہنما اصول، طلبہء علم کے ساتھ شفقت ومحبت کا سلوک، امراء وسلاطین کے ساتھ تعلقات کی نوعیت، عوام الناس کے ساتھ برتاؤ کا طریقہء کار وغیرہ اہم تعلیمات وہدایات پر بڑی تقطیع کے پانچ صفحات پر مشتمل ہے، اس وصیت نامے میں احتیاط، احتراز اور پرہیز کی باتیں زیادہ ہیں، اس لیے کہ انسان بے احتیاطی ہی کی وجہ سے نیچے گرتا اور لغزش کھاتا ہے۔

آخر میں امام ابوحنیفہؒ نے لکھا کہ میری ان نصیحتوں کو قبول کرو، میں نے تمہارے اور مسلمانوں کے فائدہ کے لیے یہ نصیحتیں قلم بند کی ہیں اور اپنی دعاؤں میں یاد رکھو۔

وصیت نامے کو علامہ موفق مکی نے ”مناقب ابی حنیفة“ میں صاحب فتاوی بزازیہ نے اپنے فتاوی میں اور علامہ ابن نجیم نے ”الاشباہ والنظائر“ میں قدرے لفظی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (حسن التقاضی:۱۲۶)

یہ وصیت نامہ اس وقت تحریر فرمایا ہے جب کہ امام ابو یوسفؒ اس زمانے کے مروجہ علوم سے فارغ ہوئے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ یہ فاضل نوجوان، قاضی القضاۃ، استاذ الفقہاء والمحدثین، وقت کا امام اور مرجع خلائق بنے گا، اس

وجہ سے ان ضروری امور پر وصیت نامہ تحریر فرمایا؛ تاکہ اس کو حرزِ جان بنائے رکھیں اور زندگی کے ہر موڑ پر عمل پیرا ہوں اور دنیا و آخرت کی کامیابی و سرخ روئی سے سرفراز ہوں۔

قلندر ہر چہ گوید، دیدہ گوید

جس استاذ میں اپنے طلبہ کے تعلق سے اتنی فکر مندی، درد مندی، شفقت و ہم دردی، طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور جلا بخشنے کا کامل جذبہ ہو، وہی استاذ طلبہ کے لیے وقت، صلاحیت لگائے گا، اصلاحی تدابیر بروئے کار لائے گا، دنیوی ضرورتوں کی کفالت کرے گا اور دعاؤں کا اہتمام بھی کرے گا؛ تاکہ طلبہ کی دنیا بھی بھلی ہو جائے، آخرت بھی سنور جائے اور استاذ کے لیے ذخیرۂ آخرت بن جائے۔

استاذِ محترم کے لیے دعاؤں کا اہتمام

تعلیمی، تربیتی، اصلاحی اور دنیوی اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کے بے شمار احسنات امام ابو یوسفؒ پر ہیں، نیز امام ابو یوسفؒ کا دل استاذ کی عقیدت، محبت اور عظمت سے معمور ولبریز تھا، جس کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ ہر دعا و نماز کے موقع پر اپنے استاذ محترم کے لیے دعاء کرتے تھے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

ماصليت صلوة قط ولا غيرها الا دعوت الله لابی حنيفة علیہ الرحمۃ، واستغفرت له.

(فضائل ابی حنیفۃ: ۱۶۴، اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ)

جب بھی میں نماز پڑھتا ہوں، یا دعا کرتا ہوں، تو ضرور امام ابوحنیفہؒ کے لیے دعا کرتا ہوں اور ان کے لیے استغفار کرتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ طالبِ علم کو چاہئے کہ وہ ہر وقت اپنی دعاؤں میں اپنے اساتذہ کو یاد رکھے۔

داؤد بن رشیدؒ فرماتے ہیں:

اگر امام ابوحنیفہؒ کے دیگر تلامذہ نہ ہوتے، امام ابوحنیفہؒ کے فخر و افتخار اور ان کے علوم کے فروغ کے لیے امام ابو یوسفؒ ہی کافی تھے، امام ابو یوسفؒ نے آپ کے علم اور فیض کو عام کیا۔ (حسن التقاضی: ۸۰)

تلامذہ

امام ابو یوسفؒ سے امام الجرح والتعدیل یحی بن معین، امام احمد بن حنبل، محمد بن الحسن شیبانی، اسد بن فرات، احمد بن منیع رحمہم اللہ وغیرہ جبالِ علم حدیث کی روایت کرتے ہیں۔(سیر ۷/۰۷ ۴)

ابن حجر مکیؒ نے آپ کے تلامذہ کی فہرست میں امام مالک بن انس، لیث بن سعد اور عبد اللہ بن مبارک رحمہم اللہ کو بھی شامل فرمایا ہے۔(حسن التقاضی: ۱۲۵)

وفات

بروز جمعرات ۵ ربیع الاول ۱۸۲ھ بغداد میں آپ کی وفات ہوئی، خلیفہ ھارون رشید نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور بغداد کے مقام ''کرخ'' میں اپنے خاندانی مقبرے میں تدفین کرائی، امام یویسفؒ کے بعد اس مقبرے میں زبیدہ خاتون اور محمد امین مدفون ہوئے، نیز موسیٰ کاظم بھی اسی قبرستان میں مدفون ہیں، عراق میں اس وقت اس قبرستان کو ''کاظمیہ'' کہا جاتا ہے۔(حسن التقاضی: ۱۲۵)

نوٹ: امام ابو یوسفؒ کے نسب، تاریخ ولادت و وفات، یتیمی کا مسئلہ اور آپ سے متعلق دیگر اختلافی باتوں میں نہایت عمدہ تحقیق علامہ زاہد کوثریؒ نے ''حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی'' میں کی ہے، کتاب مختصر مگر جامع و محقق اور رطب و یابس سے پاک، اس موضوع پر شاندار اور سابقہ کتب کا خلاصہ ہے۔

❁--❁--❁

نوجوان فضلاء کے نام امام ابوحنیفہؒ کا پیغام

امام ابو یوسفؒ جب ظاہری علوم سے فارغ ہوئے، آپ کے اندر فضل وکمال، سیرت واخلاق، رشد ونجابت کے آثار نمایاں ہونے لگے اور آپ کی طرف عوام وخواص کا رجوع ہونے لگا، تب امام ابوحنیفہؒ نے اپنے ہونہار شاگرد امام ابو یوسفؒ کے نام ایک وصیت اور نصیحت نامہ تحریر فرمایا، جس میں امام یوسفؒ کو نصیحت ووصیت فرمائی ہے کہ امراء و سلاطین، خواص اور عوام کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیۓ اور اپنی نجی زندگی کس طرح گذارنی چاہیۓ۔

اس وصیت نامہ کو موفق مکی نے ''مناقب الموفق المکی'' میں صاحب فتاوی بزازیہؒ نے ''مناقب صاحب الفتاوی البزازیہ'' میں، ابن نجیمؒ نے ''الاشباہ والنظائر'' میں اور علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری نے ''حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضیؒ'' میں بالتفصیل نقل فرمایا ہے، احقر نے علامہ کوثریؒ کی کتاب ''حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضیؒ'' سے ترجمہ کیا ہے۔

یہ وصیت نامہ نہایت قیمتی ہے ان نوجوان فضلاء (؛ بلکہ تمام ہی علماء) کے لیے جو عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں جنہیں سلاطین، امراء، سرکاری افسران، سرمایہ داران اور اوقافی اداروں کے ذمہ داران سے مختلف جہتوں سے سابقہ پڑتا ہے، ان کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیۓ اور اپنی نجی زندگی کس طرح گذارنی چاہیۓ، اس سلسلے کی نہایت مفید ہدایات، تعلیمات اور سنہری نصیحتیں اس میں مذکور ہیں۔

احقر نے اس وصیت نامے میں قارئین کرام کی سہولت کے لیے ذیلی عناوین کا اضافہ کیا ہے، چند نصائح کو تقدیم وتاخیر کے ساتھ ان ذیلی عناوین کے ساتھ لاحق کردیا ہے، اللہ تعالی ہم سب کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ان سنہری نصیحتوں کو آنکھوں کا سرمہ بنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

سلاطین، امراء اور وزراء کے ساتھ کس طرح رہنا چاہئے

اے یعقوب! سلطان کی تعظیم کرو، ان کے مقام ومرتبہ کا لحاظ کرو، سلطان کے سامنے دروغ گوئی مت کرو، جب تک کوئی علمی ودینی ضرورت پیش نہ آئے سلطان کی خدمت میں مت جاؤ، اگر بکثرت سلطان کی مجلس میں آمد ورفت ہوگی، تو وہ تمہیں حقیر و ذلیل سمجھے گا اور اس کی نگاہ میں تمہاری قدر کم ہوجائے گی۔

سلطان اور بادشاہ کے پڑوس میں کبھی سکونت اختیار نہ کرو، تم سلطان و بادشاہ سے ایسا تعلق رکھو، جیسے آگ سے تعلق رکھتے ہو، آگ سے فائدہ حاصل کرتے ہو؛ لیکن اس سے دوری بنائے رکھتے ہو، اگر آگ سے قریب جاؤ گے، تو وہ تمہیں جلا دے گی، پھر تمہیں تکلیف ہوگی، اس لیے کہ سلطان اپنے علاوہ کسی کو قابل ہی نہیں سمجھتا۔

بادشاہ کے سامنے لمبی گفتگو مت کرو، تمہاری لمبی گفتگو کی وجہ سے وہ بھی بے فائدہ باتیں کرنے لگے گا؛ تاکہ حشم وخدم کے سامنے اپنی فوقیت و برتری ظاہر ہو اور پتہ چلے کہ وہ تم سے زیادہ جانتا ہے، اس کی وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں تمہاری قدرومنزلت کم ہو جائے گی۔

ایسے سلطان کی مجلس میں جاؤ جو تمہاری اور اہل مجلس کی قدر کرنے والا ہو، جو نا قدری کرنے والا ہو، اس کی مجلس میں ہرگز مت جاؤ، جب سلطان کے پاس کوئی عالم صاحب ہوں جن سے تم نہ واقف ہو، تو اس وقت سلطان کے پاس مت جاؤ، اس لیے کہ اگر عالم صاحب کا علمی مقام ومرتبہ تم سے بڑھا ہوا ہو، تو تم ان پر برتری حاصل کرنا چاہو گے، وہ تمہاری کمزوریاں ظاہر کریں گے، اگر تم ان سے بڑے عالم ہو، تو ممکن ہے کہ تم سلطان کے سامنے عالم صاحب کے لیے تواضع کرو جس کی وجہ سے سلطان کی نگاہ میں تمہاری قدر کم ہوجائے گی اور ان کی قدرو قیمت بڑھے گی۔

سرکاری مناصب قبول کرنے سے متعلق نصیحتیں

اگر سلطان (حکومتی اور اوقافی ادارے) کوئی عہدہ پیش کریں، تو اسی صورت میں قبول کرو جب کہ تمہیں یقین ہو کہ وہ تمہاری اہلیت واستعداد کی وجہ سے پیش کررہے ہیں،

نیز اگر تم قبول نہیں کرو گے، تو کوئی نا اہل شخص قبول کر لے گا جس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف و پریشانی لاحق ہو سکتی ہے۔

جب سلطان و امراء کی طرف سے کوئی کام تمہارے سپرد کیا جائے، تو اس وقت تک قبول نہ کرو جب تک کہ تمہیں اطمینان نہ ہو کہ وہ تمہارے عمل کو پسند کرے گا اور فیصلوں میں تمہاری بات کو قبول کرے گا؛ تاکہ اس کو خوش کرنے کے لیے کسی خلافِ شرع کام انجام دینے پر تم مجبور نہ کئے جاؤ۔

سلطان اور امراء کے وزراء اور خدام سے تعلقات مت رکھو، ان سے دور دور ہی رہو؛ تاکہ تمہارا مقام و مرتبہ سلطان و بادشاہ کی نگاہ میں برقرار رہے۔

ازدواجی زندگی سے متعلق نصیحتیں

اولاً علم حاصل کرو، پھر حلال مال کماؤ، پھر شادی کرو، علم حاصل کرنے کے زمانے میں کمانا شروع کرو گے، تو تم دنیا کی چیزوں کو حاصل کرنے میں لگ جاؤ گے، پھر ان ہی میں لگ جاؤ گے، علم حاصل کرنے سے پہلے نکاح بھی نہ کرو، اس لیے کہ نکاح کے بعد علم حاصل کرو گے، تو اہل وعیال کی ذمہ داریوں کی وجہ سے علم حاصل کرنا دشوار ہو جائے گا، جوانی، فارغ البالی اور یکسوئی کے زمانے میں علم حاصل کرو، پھر شادی کرو، اس لیے کہ اہل وعیال کی کثرت سے ذہن پریشان ہو جاتا ہے، لہٰذا مال کمانے کے بعد شادی کرو، بیوی کی ضروریات پوری کرنے پر جب تک قدرت اور اطمینان نہ ہو، اس وقت تک شادی نہ کرو۔

دو بیویوں کو ایک گھر میں نہ بساؤ، بیوی کے سامنے اجنبی عورتوں کا تذکرہ نہ کرو؛ کیونکہ بیوی بھی تمہارے سامنے اجنبی مردوں کا تذکرہ کرے گی (پھر لڑائی، جھگڑے شروع ہوں گے)، صاحبِ اولاد عورت سے نکاح نہ کرو، اس لیے کہ وہ اپنی اولاد کے لیے فکر کرے گی اور ان پر خرچ کرے گی، اس لیے کہ اس عورت کو اپنی اولاد زیادہ محبوب ہوتی ہے۔

آدابِ گفتگو سے متعلق نصیحتیں

لوگوں کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کرو، جس چیز کے بارے میں سوال کیا جائے، اسی کے بارے میں گفتگو کرو، تجارت اور کاروبار کے بارے میں ہرگز بات چیت نہ کرو؛ کیوں کہ لوگ اس طرح کی بات چیت سے تمہیں مال کا حریص، لالچی اور رشوت خور سمجھیں گے، عوامی مجلس میں ہنسی مذاق نہ کرو، بار بار بازار کا رخ نہ کرو۔

مراہق لڑکوں سے بات چیت نہ کرو؛ کیوں کہ مراہق لڑکے فتنوں کا سبب بن جاتے ہیں؛ البتہ چھوٹے بچوں سے بات چیت کرنے اوران کے سر پر ہاتھ پھیرنے میں کوئی حرج نہیں۔

عوام الناس سے دین کے اصول کے بارے میں گفتگو نہ کرو (؛ کیوں کہ یہ گفتگو ان کے فہم سے بالاتر ہوتی ہے) پھر وہ لوگ بھی تمہاری اقتداء کرتے ہوئے دین کے اصول کے بارے میں بات چیت کریں گے، (پھر دینی فتنے وفسادات ہوں گے) ، جو سوال کیا جائے ، اسی کا جواب دو، سوال سے زائد جواب مت دو، اس لیے کہ جواب سمجھنے میں دشواری ہوگی، ، علمی مجلس میں غصہ نہ کرو، عوام کو قصے کہانیاں نہ سناؤ، قصے کہانیاں سنانے والے کے لیے جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔

بحث ومناظرے کی مجلس میں خوف اور ہچکچاہٹ کے ساتھ ہرگز گفتگو نہ کرو، اس لیے کہ دل میں ڈر وخوف ہوگا، تو زبان میں لڑکھڑاہٹ اور الفاظ میں بے ترتیبی پیدا ہو جاتی ہے، بے وقوف اور ایسے کم علم لوگوں سے بات چیت مت کرو، جو بحث ومناظرے کا علم نہیں رکھتے، ان کا مقصد صرف جاہ طلبی، شہرت اور تمہاری ذلت ورسوائی ہوتی ہے۔

بہت زیادہ ہنسی مذاق سے پرہیز کرو؛ کیوں کہ اس سے دل مردہ ہوجاتا ہے، عورتوں سے بھی بکثرت بات چیت اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے احتیاط کرو کہ اس سے بھی دل مردہ ہوجاتا ہے، اطمینان وسکون کے ساتھ چلو، کسی معاملے میں جلد بازی نہ کرو، جو شخص تمہیں پیچھے سے پکارے، اس کو جواب نہ دو، اس لیے کہ جانور پیچھے سے پکارتے ہیں، جب بات چیت کرو، تو آواز بلند نہ کرو اور چیخیں نہ مارو، سکون وطمانیت اور سنجیدگی کی عادت بناؤ۔

علمی مشاغل کے اہتمام سے متعلق نصیحتیں

اگر روزگار کے بغیر دس سال کا عرصہ گزر جائے، تب بھی علم دین سے بے رخی نہ کرو، اگر علم سے بے رخی کرو گے، تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق: جو شخص ذکر (قرآن) سے بے رخی کرے گا، اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی، اپنے طلبہ کے ساتھ اپنی اولاد جیسا سلوک کرو، ان میں علم کا شوق اور رغبت پیدا ہوگی، عوام الناس میں سے کوئی بحث ومباحثہ کرے، تو اس کے ساتھ مت الجھو، ان کے ساتھ الجھنے سے تمہاری عزت پامال ہوگی، اظہارِ حق اور احقاقِ حق میں کسی سے مرعوب نہ ہو؛ اگر چہ بادشاہ اور امراء کے سامنے اس کی نوبت پیش آئے، علم کی حفاظت کرو کہ تم اس سے دنیا وآخرت میں فائدہ اٹھا سکو گے۔

عبادت کا شوق اور اس کے اہتمام سے متعلق نصیحتیں

جب اذان ہو جائے، تو فوراً نماز کی تیاری کرو اور سب سے پہلے مسجد جاؤ، عوام جتنے (نوافل) اعمال کرتے ہیں، تم ان سے زیادہ عمل کرو، اس لیے کہ جب عوام دیکھیں گے کہ تمہارے اندر عمل کی کمی وکوتاہی ہے، یا عوام سے کم نوافل کا اہتمام کرتے ہو، تو تمہارے متعلق بدزبانی اور بدگمانی کریں گے، ہم جاہل لوگ ہی بہتر ہیں کہ بہت سارے اعمال کر لیتے ہیں، یہ عالم صاحب بے کار ہیں، اپنے علم سے خود فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔

عوامی مجلس میں بکثرت اللہ کا ذکر کرو؛ تاکہ تمہیں دیکھ کر وہ لوگ بھی اللہ کا ذکر کریں، فرض نمازوں کے بعد کچھ وظائف اپنے لیے مقرر کر لو، ان وظائف میں قرآن کی تلاوت، اللہ کا ذکر، اللہ کی نعمتوں پر شکر گزاری شامل کرو، ہر ماہ چند ایام روزہ کے لیے متعین کر لو جن میں تم روزہ رکھو، جتنی عبادات تم عوام کے لیے کافی سمجھتے ہو، اس سے زیادہ مقدار میں تم عبادات کا اہتمام کرو (علماء کے لیے نوافل کی مقدار عوام کی مقدار سے کہیں زیادہ ہونی چاہئے) اپنی ذات کا محاسبہ کرتے رہا کرو۔ موت کو یاد کرتے رہا کرو، اپنے اساتذہ کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہو، پابندی سے قرآن پاک کی تلاوت کرو، عام قبرستان، مشائخ کے مزارات اور بابرکت مقامات کی زیارت کرتے رہو، عالم کا معاملہ

اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی خلوت کو جلوت نہ بنائے ،لہذا تم تنہائی میں ایسے ہی رہو جیسے لوگوں کے سامنے رہتے ہو۔

نئے علاقے اور نئے شہر سے متعلق نصیحتیں

اگر کسی نئے شہر میں جاؤ، تو اپنے لیے کوئی خاص مقام نہ بناؤ؛ بلکہ ایک عام آدمی کی طرح رہو؛ تا کہ وہاں کے علماء کو اطمینان ہو جائے کہ تم ان کے مقام ومرتبہ کو چھیننے والے نہیں ہو، ورنہ وہ تمہارے طور وطریقے پر طعن وتشنیع کریں گے، عام لوگ تمہارے خلاف چہ می گوئیاں کریں گے، تم خواہ مخواہ مطعون ومعیوب ہو جاؤ گے۔

اگر اس شہر کے لوگ تم سے مسائل پوچھیں، تو تم مسائل مت بتاؤ(؛ بلکہ مقامی علماء کے پاس بھیج دو) بحث ومناظروں میں شرکت نہ کرو، مقامی علماء سے جو بات کرو، واضح دلیل کے ساتھ بات کرو، ان کے اساتذہ کے خلاف زبان درازی نہ کرو ورنہ وہ تمہارے متعلق زبان درازی کریں گے، لوگوں کے ساتھ پوری احتیاط کے ساتھ معاملات کرو۔

سلطان (سرکاری افسران اور مال داروں) سے تعلقات اور قرب کو لوگوں کے سامنے بیان نہ کرو، اگر بیان کرو گے، تو لوگ اپنی ضرورتوں کو تمہارے سامنے پیش کریں گے ، اگر تم سلطان (سرکاری افسران اور دیگر ذمہ داران) سے ان کی ضروریات پوری کراؤ گے، تو لوگ تمہیں ذلیل ورسوا کریں گے(مداہن ، چاپ لوس وغیرہ کا طعنہ دیں گے)، اگر تم سلطان (وسرکاری افسران اور دیگر ذمہ داران) سے ان کی ضرورتیں پوری نہیں کراؤ گے، تو لوگ تم کو برا بھلا کہیں گے (یہ شخص صرف اپنی فکر کرتا ہے، دوسروں کا خیال نہیں کرتا وغیرہ)۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

لوگوں کی برائیوں کے پیچھے مت پڑو؛ بلکہ ان کی اچھائیوں پر نظر رکھو، اگر کسی شخص میں کوئی عیب وبرائی نظر آئے، تو اس کو دوسروں کے سامنے بیان نہ کرو، الا یہ کہ کوئی دینی ضرورت ہو، تو بیان کر دینا چاہیے؛ تا کہ لوگ اس کی برائی سے محفوظ رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فاسق شخص کی برائی بیان کرو؛ تا کہ لوگ اس کی برائی

سے بچ جائیں، اگر کسی عالی جناب میں کوئی دینی خرابی نظر آئے ،تو اس کے مقام ومرتبے سے مرعوب ہوئے بغیر واضح کردو، اللہ تعالیٰ تمہاری مدد ونصرت کرے گا، جب ایک مرتبہ اس طرح حق کا اظہار کرو گے ،تو پھر کسی شخص کو بدعات وخرافات کے ارتکاب کی ہمت نہیں ہوگی۔

جب تم سلطان (ذمہ داران) سے کوئی خلافِ شرع کام دیکھو، تو ان کی اطاعت واحترام کے ساتھ ان کو متنبہ کردو، نرم لہجہ میں کہو کہ سلطان وذمہ داران کی اطاعت ہم پر لازم ہے، ہم ضرور آپ کی اطاعت واحترام کریں گے؛ لیکن تمہارا فلاں کام شریعت کے خلاف ہے۔

بادشاہ وسلطان کو ایک بار دو بار تنبیہ کردینا کافی ہے، بار بار تنبیہ کرو گے ،تو وہ تمہاری توہین وتذلیل کرے گا جو دین کی توہین وتذلیل کے مترادف ہے، ایک بار دو بار تنبیہ کرنے کے باوجود منکر کو ترک نہ کرے ،تو بادشاہ وسلطان سے تنہائی میں خیر خواہی کے ساتھ بات کرو، کتاب وسنت کو پیش کرو، اگر وہ قبول کرلیں ،تو بہت اچھی بات ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس سے تمہاری حفاظت فرمائے ،میری ان نصیحتوں کو قبول کرو، یہ نصیحتیں تمہیں دنیا وآخرت میں کام دیں گی۔

مروت اور حسن اخلاق کا مظاہرہ

تقوی اور امانت کو لازم پکڑو، عوام وخواص کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرو، بخیلی و کنجوسی سے بچو کہ آدمی اس سے ذلیل ورسوا ہوجاتا ہے، لالچی اور جھوٹے نہ بنو، گول مول گفتگو کرنے والے نہ بنو، تمام امور میں متانت وسنجیدگی کو لازم پکڑو، ہر حالت میں سفید لباس کا اہتمام کرو، ریشمی لباس نہ پہنو۔

استغنا، دنیا سے بے رغبتی اور حرص وہوا سے پاک زندگی گزارو، تم تنگ دست وفقیر ہو، تب بھی بے نیازی کا اظہار کرو، ہمت وحوصلہ بلند رکھو، ہمت وحوصلہ بلند ہو، تو تمہارا مقام ومرتبہ بھی بلند ہوگا، جب راستہ چلو، ادھر ادھر دیکھتے ہوئے نہ چلو؛ بلکہ نگاہ نیچی رکھتے ہوئے چلو، راستوں پر مت بیٹھا کرو، اگر اس کی ضرورت (کسی کے انتظار کی وجہ سے)

پیش ہی آجائے ،تو مسجد میں بیٹھا کرو، دکانوں پر مت بیٹھا کرو، بازاراور مساجد میں کھانا پینا نہ کرو، نفسانی خواہشات کی اتباع کرنے والوں کی صحبت سے بچو، لعن طعن اور برا بھلا کہنے کی عادت مت ڈالو، پڑوسی کے احوال تمہارے پاس امانت ہیں، ان کے احوال وعیوب کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کرو، کسی کے راز کی باتوں کا افشاء نہ کرو، تم سے کوئی مشورہ کرے، تو اس طرح مشورہ دو کہ تمہیں اللہ کا قرب حاصل ہو۔

جب کسی ضرورت کی جگہ پر جاؤ، (جہاں اجرت اور فیس ادا کرنی پڑتی ہے) تو عام لوگوں سے زیادہ کرایہ ادا کرو؛ تا کہ تمہاری شرافت کا مظاہرہ ہو، جب بڑے لوگوں کے پاس جاؤ، تو جب تک وہ تم کو بڑا نہ بنائیں ،تم خود سے بڑے نہ بنو، جب کسی بستی ومحلے میں جاؤ، تو جب تک وہ تمہیں عظمت واحترام کے ساتھ امامت کے لیے آگے نہ کریں، تم آگے نہ بڑھو، سلاطین اور (مال داروں) کے فیصلوں کی مجلسوں میں نہ جاؤ؛ البتہ اگر وہ فیصلوں اور مقدمات میں تمہاری بات کو قبول کریں، تو ان کی مجلس میں جانے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ اگر وہ غلط فیصلہ کریں اور تم خاموشی اختیار کرو، تو لوگ سمجھیں گے وہ حق کے مطابق صحیح فیصلہ ہوا ہے؛ حالانکہ وہ غلط ہے۔

اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھو، ان نصیحتوں پر عمل کرو، میں نے تمہارے اور مسلمانوں کے فائدہ کے لیے یہ نصیحتیں کی ہیں۔

زندگی برف کی طرح ہے، نیک کاموں میں گزارو
ورنہ پگھل تو رہی ہے، ختم بھی ہو جائے گی

❁--❁--❁

امام محمد بن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام محمد بن الحسن بن فرقد، ابو عبداللہ کنیت اور شیبانی ولاءً نسبت ہے۔

آپ کے والد جزیرۃ العرب سے تھے، شامی فوج میں شامل ہو گئے تھے، اسی عرصے میں فلسطین کے ایک دیہات اور دمشق کے شہر ''حرستا'' میں قیام پذیر تھے، بعد ازاں ''کوفہ'' منتقل ہوئے، امام محمدؒ کی پیدائش ''کوفہ'' میں ۱۳۲ھ میں ہوئی۔

(بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی للعلامۃ زاہد الکوثری: ۱۵۱)

بعض حضرات نے جائے پیدائش ''واسط'' بیان کی ہے جو عراق ہی کا ایک شہر ہے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۷/ ۵۵۶)

تحصیلِ علم

امام محمدؒ جب سنِ تمیز کو پہنچے، تو ناظرۂ قرآن مجید پڑھا، کچھ حصہ زبانی یاد کیا اور اس زمانے میں جو علوم عربیہ اسلامیہ رائج تھے، ان کی تعلیم حاصل کی، چودہ سال کی عمر میں امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں ایک مسئلہ معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوئے، عرض کیا: ایک بچہ رات میں سویا، درمیانی رات میں احتلام ہو گیا، کیا وہ بچہ اس رات کی نمازِ عشاء قضا کرے گا جس رات میں وہ بالغ ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں: اس رات کی نماز قضا کرنی ضروری ہے، امام محمدؒ مجلس سے کھڑے ہوئے اور فوراً مسجد کے ایک گوشے میں عشاء کی نماز قضا فرمائی، امام ابو حنیفہؒ نے جب یہ منظر دیکھا، تو فرمایا: یہ بچہ کامیاب انسان بنے گا، امام ابو حنیفہؒ نے اپنی فراست سے جو بات کہی تھی، وہ بالکل سچ ثابت ہوئی، اللہ تعالیٰ نے امام محمدؒ کو امت کا امام بنایا۔

امام ابو حنیفہؒ کی مجلس سے واپسی کے بعد امام محمدؒ کے دل میں علمِ فقہ حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ مجھے مجلسِ درس میں شرکت کی اجازت دی جائے، امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: اولاً قرآن پاک حفظ کرو، اس کے بعد

مجلسِ درس میں شرکت کرو، (؛ کیوں کہ حافظ قرآن کے لیے استخراجِ معانی اور استنباطِ مسائل کے سلسلے میں بہت سہولت ہوتی ہے) امام محمدؒ یہ سن کر گھر چلے گئے۔

ایک ہفتہ بعد آئے اور عرض کیا کہ حضرت! میں نے قرآن پاک حفظ کرلیا ہے، (صرف ایک ہفتے میں حفظ مکمل کرلیا) اس مجلس میں امام محمدؒ نے ایک مسئلہ بھی دریافت کیا (جو عقل و دانش پر دلالت کرتا تھا) امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: یہ سوال تمہارے ذہن میں پیدا ہوا ہے، یا کسی سے سن کر سوال کیا ہے، امام محمدؒ نے عرض کیا، خود میرے ذہن میں سوال پیدا ہوا ہے، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: تم نے بڑے آدمیوں کا سوال کیا ہے، (عقل مندی و دانش مندی کا سوال ہے) امام ابوحنیفہؒ کو ان کی ذہانت و عقل مندی سے خوشی ہوئی اور آپ نے مجلسِ درس میں حاضری کی اجازت دے دی، امام ابوحنیفہؒ کی وفات تک چار سال مجلسِ درس میں شریک ہوتے تھے اور جو مسائل سنتے تھے، ان کو مرتب بھی کرلیا کرتے تھے۔ (بلوغ الامانی: ۱۵۲)

اساتذہ

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام ابویوسف، امام اوزاعی، سفیان ثوری، عمرو بن دینار، عبداللہ بن مبارک، مسعر بن کدام، حسن بن عمارۃ، یونس بن ابواسحاق سبیعی، خارجہ بن عبداللہ بن سلیمان، سفیان بن عیینہ۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔ نیز ''کوفہ'' ''بصرہ'' ''عراق'' اور ''مکہ'' و ''مدینے'' کے علماء، فقہاء اور محدثین سے علم حاصل کیا۔ (ملخص از بلوغ الامانی: ۱۵۴)

یہی وجہ ہے کہ امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ، امام یوسفؒ، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ کے علوم کے جامع بن گئے۔ (بلوغ الامانی: ۱۵۳)

آپ نے بطور خاص امام ابوحنیفہؒ سے چار سال علمِ فقہ حاصل کیا اور امام ابویوسفؒ سے اس کی تکمیل کی۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں: میں نے امام مالکؒ سے تین سال علم حاصل کیا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ۷/ ۵۵۶)

علمی مقام وشان

آپ نے اپنے عہد اور اسلامی تاریخ کے علم وفن کے اساتذہ سے علم حاصل کیا، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام دار الہجرۃ مالک بن انسؒ کے تلمیذ خاص اور امام محمد بن ادریس شافعیؒ اور متعدد ائمہء مجتہدین کے استاذ ہیں، آپ مجتہد، موطا کے راوی، فقہِ حنفی کے ناشر وترجمان فصیح وبلیغ عالمِ دین ہیں، جن سے ائمہء کبار نے علم حاصل کیا، آپ مجتہد مطلق تھے، پر امام ابوحنیفہؒ کے اجتہادی اصول کو اپنانے ہی میں اپنی سعادت سمجھی۔

آپ کی کتاب ''اصل'' جو مبسوط کے نام سے مشہور ہے، ایک عیسائی حکیم نے مطالعہ کیا، تو کہا: تمہارے چھوٹے محمد کی کتاب کی یہ شان ہے! تو تمہارے بڑے محمد کی کیا شان ہوگی! اور اس حکیم نے اسلام قبول کرلیا۔ (بلوغ الامانی:۱۹۶)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

کنت اظن اذا رأیته یقرأ القرآن کأن القرآن نزل بلغته. (سیر اعلام النبلاء:۶/۵۵۶)

جب میں امام محمدؒ کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھتا، تو ایسا لگتا کہ شاید قرآن ان ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے، اتنا عمدہ تلاوت کرتے تھے۔

نیز امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

مارأیت رجلا اعلم بالحرام، والحلال، والعلل، والناسخ، والمنسوخ من محمد بن الحسن علیہ الرحمۃ۔ (بلوغ الامانی:۱۹۰)

میں نے حلال وحرام، علل نیز ناسخ ومنسوخ کی معرفت کے سلسلے میں امام محمدؒ سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔

ماجالست فقیها قط افقه منه، ولا فتق لسانی بالفقه مثله. (بلوغ الامانی:۱۹۱)

میں نے کبھی ایسے عالم کی مجلس میں حاضر نہیں ہوا جو آپ سے زیادہ علمِ فقہ کا ماہر ہو، آپ کی طرح میری زبان کو علم فقہ میں کسی نے کھولا بھی نہیں۔

ابراہیم حربی فرماتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے عرض کیا:

من این لک هذه المسائل الدقیقه؟

قال من کتب من محمد بن الحسن.

یہ دقیق مسائل آپ کہاں سے بیان کرتے ہیں؟ فرمایا: امام محمد بن حسنؒ کی کتابوں سے بیان کرتا ہوں۔ (سیر اعلام النبلاء ۷/۵۵۶)

تلامذہ

ائمہ اربعہ میں امام شافعیؒ، ابوسلیمان موسی بن سلیمان جوزجانیؒ جنہوں نے امام محمدؒ کی کتب کو عام کیا، ہشام بن عبداللہ رازیؒ، ابوحفص کبیر احمد بن حفص عجلیؒ جو فقہ میں امام بخاریؒ کے استاذ ہیں، اسد بن فران قیروانیؒ جو فقہ مالکی کے مدون اور شیخ سحنون مالکیؒ کے استاذ ہیں، جن سے دیارِ مغرب میں فقہِ مالکی کا فروغ ہوا، امام الجرح والتعدیل یحی بن معینؒ، شعیب بن سلیمان کیسانیؒ جو امام محمدؒ سے کیسانیات کے راوی ہیں، علی بن صالح جرجانیؒ جو امام محمدؒ سے جرجانیات کی روایت کرتے ہیں، اسماعیل بن توبہؒ جو ''سیر کبیر'' کی روایت کرتے ہیں، ابوبکر ابراہیم بن رستم مروزیؒ جو امام محمدؒ سے ''نوادرات'' کی روایت کرتے ہیں، یہ سب ائمہ کبار حضرت امام محمدؒ کے تلامذہ ہیں۔ (ملخص از بلوغ الامانی: ۱۵۵)

عظیم المرتبت تلامذہ کے تاثرات

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

ماجالست فقیہا قط افقہ منہ، ولا فتق لسانی بالفقہ مثلہ.

میں نے کبھی ایسے عالم کی مجلس میں حاضر نہیں ہوا جو آپ سے زیادہ علمِ فقہ کا ماہر ہو، آپ کی طرح میری زبان کو علم فقہ میں کسی نے کھولا بھی نہیں، میں نے جب بھی آپ سے کوئی علمی بات معلوم کی، کبھی آپ کے چہرے بشرے پر ناگواری نہیں دیکھی، آپ بشاشت سے اطمینان بخش جواب دیا کرتے تھے۔ (جو کہ علمی وسعت، اخلاق کی بلندی اور طلبہ کے حوصلہ افزائی کی دلیل ہے)۔ (بلوغ الامانی: ۱۹۱)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے علمِ حدیث میں سفیان بن عیینہؒ اور علمِ فقہ میں محمد بن الحسن شیبانیؒ سے میری خاص مدد فرمائی۔ (بلوغ الامانی: ۱۶۵)

امام شافعی فرماتے ہیں:

فقہ میں سب سے زیادہ احسان مجھ پر امام محمدؒ کا ہے، مزید فرماتے تھے کہ علم فقہ اور

دنیوی ضرورتوں کے سلسلے میں امام محمدؒ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں اور بکثرت آپ کے لیے دعائیں کرتے تھے۔ (بلوغ الامانی:۱۶۵)

تلامذہ میں علمی تحقیق کا ذوق پیدا کرنے کی فکر

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

میں امام محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے آپ سے حدیثیں سنیں اور علمِ فقہ حاصل کیا، جب امام محمدؒ سبق سے فارغ ہو کر چلے جاتے، تو میں طلبہ کے ساتھ بحث ومباحثہ اور مناظرہ کرتا تھا، امام محمدؒ کو معلوم ہوا، تو آپ نے مجھ سے فرمایا: میرے ساتھ ''مسئلہ یمین وشاہد'' میں مناظرہ کرو، مجھے شرم محسوس ہوئی، استاذ کا ادب مانع ہوا؛ لیکن امام محمدؒ نے بہت زیادہ اصرار کیا، تو میں نے امام محمدؒ سے مناظرہ کیا، آپ خوش ہوئے اور خلیفہ وقت ہارون رشید کی خدمت میں لے گئے اور خلیفہ نے انعام دیا۔

(بلوغ الامانی:۱۶۵)

امام محمدؒ امام شافعیؒ کو خاص اوقات میں بھی پڑھایا کرتے تھے، اس لیے کہ امام شافعیؒ ''مکہ مکرمہ'' سے حاضر ہوئے تھے اور ذہین وفطین بھی تھے۔ (بلوغ الامانی:۱۶۵)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

لقد کتبت من محمد بن الحسن وقر بعیر. (بلوغ الامانی:۱۶۵)

میں نے امام محمدؒ سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر کاپیاں لکھیں ہیں۔

مذکوہ باتوں سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ اپنے تلامذہ میں علمی تحقیق کا ذوق پیدا کرنے اور ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو مہمیز کرنے کے لیے ان کی کیسی تربیت فرماتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، ان کی دنیوی ضروریات کا خیال فرماتے تھے، امام شافعیؒ نے بھی ساری زندگی امام محمدؒ کے علمی ومادی احسانات کو فراموش نہیں کیا اور استاذ کے لیے دعائیں کرتے تھے۔

نوٹ: بعض متعصبین نے امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے تعلقات کی نوعیت میں امام شافعیؒ کی شان بڑھانے کے لیے تعصب سے کام لیا ہے، حافظ ابن حجر شافعیؒ شارحِ

بخاری نے ''توالی التاسیس'' میں اور علامہ زاہد کوثریؒ نے ''بلوغ الامانی'' میں پوری تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ امام شافعیؒ امام محمدؒ کا بہت ادب واحترام کرتے تھے، ان کے احسانات کے قدر شناس اور دعا گو تھے۔

اسد بن فرات قیروانیؒ

اسد بن فراتؒ مغرب کے شہر ''قیروان'' کے رہنے والے تھے، امام مالکؒ کی خدمت میں ۱۷۲ھ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور ''موطا'' کا سماع کیا، درس کے درمیان فقہی مسائل معلوم کرتے، امام مالکؒ غریب الدیار طالب علم کی رعایت میں ہر سوال کا جواب بھی دیا کرتے، امام مالکؒ کی توجہ زیادہ تر روایتِ حدیث پر ہوتی تھی، اسد بن فراتؒ ساتھیوں کے کہنے پر دورانِ درس بکثرت فقہی مسائل معلوم کرنے لگے، تو امام مالکؒ نے اسد بن فرات قیروانیؒ سے کہا: اے مغربی! اگر علمِ فقہ طلب کرنا چاہتے ہو، تو اہل عراق کے پاس چلے جاؤ، اسد بن فراتؒ کہتے ہیں، امام مالکؒ کے اس ارشاد سے میرے دل میں فقہائے عراق کی عظمت پیدا ہوگئی اور میں نے عراق کا سفر کیا، عراق میں مختلف علماء سے علم حاصل کیا جن میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی ہیں، زیادہ تر امام محمدؒ کی خدمت میں رہے۔

طلبہ کے لیے راحت وآرام کی قربانی

ایک دن اسد بن فرات قیروانیؒ نے امام محمدؒ سے عرض کیا، حضرت میں بہت دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ کے پاس طلبہ کی تعداد زیادہ ہے، ہر وقت طلبہ اور عراقی لوگ آپ کو گھیرے رہتے ہیں، میں اپنی مجبوری سے زیادہ دن عراق میں قیام کر نہیں سکتا، میری مشکل کا حل کیا ہے؟ امام محمدؒ نے فرمایا: دن میں عراقی طلبہ کے ساتھ مجلسِ درس میں حاضری دیا کرو، رات کا وقت بطور خاص تمہارے لیے فارغ کروں گا، چنانچہ امام محمدؒ رات میں مجھے سبق پڑھایا کرتے تھے، مجھ پر نیند کا غلبہ ہو جاتا، امام محمدؒ اپنے پاس ایک پیالہ رکھے رہتے، اس میں سے پانی میرے چہرے پر چھڑکتے اور مجھے بیدار کرتے، میں ہوشیار ہوتا، پھر اونگھ آتی، تو پھر پانی چھڑکتے، یہی سلسلہ چلتا تھا، کبھی اکتاہٹ اور بوجھ محسوس نہیں کرتے تھے، اس طرح جو علم میں امام محمدؒ سے حاصل کرنا چاہتا

تھا، وہ حاصل کرلیا۔

امام محمدؒ نے ایک دن اسد بن فراتؒ کو سبیل کا پانی پیتے ہوئے دیکھا، تو سمجھ گئے کہ ان کے پاس زادِ راہ ختم ہو چکا ہے، چنانچہ آپ نے اَسّی دینار دئے، جب ''قیروان'' واپسی کا ارادہ کیا، تو اس وقت بھی امام محمدؒ نے زادِ راہ کا انتظام فرما کر روانہ فرمایا۔

(بلوغ الامانی:۱۵۹)

سوچئے امام محمدؒ اپنے تلامذہ پر کس قدر شفیق ومہربان ہیں، طلبہ کی تعلیم کے لیے راتوں کی نیند، آرام اور راحت کی قربانی دیتے تھے، ان کی ضروریات کی تکمیل فرماتے تھے، ان کو زیورِ علم سے آراستہ کرنے کے لیے کتنی قربانیاں دیا کرتے تھے، اسد بن فراتؒ نے دیار مغرب پہنچ کر فقہِ مالکی کو مرتب ومدون کیا اور دیارِ مغرب میں فقہِ مالکی کو فروغ دیا، ائمہ مالکیہ میں سحنونؒ جو فقہِ مالکی کی کتاب ''المدونۃ'' کے مصنف ہیں، ان کے استاذ ہیں۔

امام محمدؒ کی کتب ستہ، موطا اور دیگر افادات

(۱) امام محمدؒ نے اصولی وبنیادی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ''اصل'' جو مبسوط کے نام سے مشہور ہے، ہزاروں فقہی مسائل پر مشتمل ہے، کہا جاتا ہے کہ امام شافعیؒ نے اس کتاب کو حفظ فرمایا اور اپنی کتاب ''الام'' کو اسی کے اسلوب پر تحریر فرمایا، ایک عیسائی حکیم نے اس کتاب کو دیکھ کر اسلام قبول کیا، فقہائے احناف میں متعدد حضرات نے اس کی راویت کی ہے۔

(۲) ''جامع صغیر'' جو تقریباً ڈیڑھ ہزار مسائل پر مشتمل ہے، صرف ایک سو ستر مسائل میں فقہی اختلاف کو ذکر کیا گیا ہے اور صرف دو مسئلوں میں قیاس اور استحسان سے استدلال کیا گیا ہے۔

امام محمدؒ جب ''مبسوط'' کی تصنیف وتالیف سے فارغ ہوئے، تو امام یوسفؒ نے فرمایا: جو مسائل تم نے مجھ سے امام ابوحنیفہؒ کی روایت سے سنے ہیں، ان کو مرتب کرو، امام محمدؒ نے ''جامع صغیر'' مرتب فرما کر پیش کی، امام یوسفؒ اس کتاب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور امام محمدؒ کے قوت حافظہ کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا: تین مقامات میں چوک

ہوگئی ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں: مجھ سے چوک نہیں ہوئی ہے، امام ابو یوسفؒ بیان کرنے کے بعد بھول گئے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ اپنی جلالت وعظمتِ شان کے باوجود اس کتاب کو سفر وحضر میں ساتھ رکھا کرتے تھے۔

(۳) ''سیر صغیر'' اس کتاب میں امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے جو مسائل سنے ہیں، ان کو بیان کیا ہے، امام اوزاعیؒ نے ''سیر صغیر'' کا رد لکھا، امام ابو یوسفؒ نے امام اوزاعیؒ کا جواب لکھا۔

(۴) ''جامع کبیر'' ایک اہم کتاب ہے، جس میں مسائل کو روایت ودرایت کے موافق لکھا گیا ہے، نہایت شاندار کتاب ہے۔

(۵) ''زیادات'' جامع کبیر کا استدراک ہے، جو مسائل ''جامع کبیر'' میں ذکر سے رہ گئے ہیں، ان کو بیان فرمایا ہے۔

(۶) ''سیر کبیر'' آپ کی آخری تالیف ہے۔ (ملخص از بلوغ الامانی: ۱۹۶ تا ۱۹۸)

ان مذکورہ کتبِ ستہ کے علاوہ آپ کے تلامذہ نے متعدد کتابوں میں آپ کے درسی افادات کو جمع فرمایا ہے، کیسانیات، جرجانیات، رقیات وغیرہ جن کی طرف تلامذہ کی فہرست میں اشارہ کیا گیا۔

''موطا'' المعروف ''موطا امام محمد'' اس کتاب میں امام مالکؒ کی ایک ہزار سے زاید مرفوع اور موقوف روایات کو جمع فرمایا ہے، نیز ایک سو پچھتر روایات دیگر شیوخ کی بھی ذکر کی ہیں۔

علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے ''التعلیق الممجد فی شرح موطا للامام محمد'' کے مقدمے میں تحریر فرمایا: موطا امام محمد میں (۱۱۵۰) احادیث مروی ہیں۔

''کتاب الاثار'' حدیث کی کتاب ہے جس میں امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی سند سے جو روایات ہیں، ان کو جمع فرمایا۔ (بلوغ الامانی: ۲۰۰)

جامع صغیر، جامع کبیر، سیر کبیر، سیر صغیر، مبسوط اور زیادات فقہ حنفی کے مصادر و

مراجع ہیں، آپ کی شخصیت، آپ کے تلامذہ اور آپ کی امہاتِ کتب سے فقہ حنفی کو فروغ حاصل ہوا، وہی کتبِ ستہ فقہ حنفی کی اصل ہیں اور آپ ہی کے تلامذہ ان کتبِ ستہ کے راوی ہیں، استاذ کی محنت سے کتبِ ستہ بھی تیار ہوئیں اور ان کو عام کرنے والے باوفا مخلص، عقیدت مند اور استاذ کے نام کو روشن کرنے والے تلامذہ بھی پیدا ہوئے، یہ استاذ کے خلوص، للّٰہیت، قربانی اور طلبہ پر بے پناہ شفقت و محنت کی دلیل ہے۔

وفات

آپ کی وفات مقام ''ری'' میں ۱۸۹ھ میں ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ۷/۵۵۶)

رہبر بھی یہ، ہم دم بھی یہ، غم خوار ہمارے
استاد یہ قوموں کے ہیں معمار ہمارے

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

امام ترمذی کا نام محمد بن عیسی بن سورہ بن موسی ہے، ابوعیسی کنیت ہے، خراسان میں دریائے جیحون کے کنارے ایک شہر ''ترمذ'' تھا، جس میں بڑے بڑے علماء ومحدثین پیدا ہوئے، اسی جہ سے اس کو مدینۃ الرجال کہا جاتا تھا، اسی شہر کے ایک قصبہ ''بوغ'' میں امام ترمذی پیدا ہوئے، اس وجہ سے آپ کو ترمذی اور بوغی کہا جاتا ہے؛ لیکن ترمذی کی نسبت سے زیادہ مشہور ہیں، آپ کی ولادت راجح قول کے مطابق ۲۰۹ھ میں ہوئی۔

(تحفۃ الالمعی ۱/ ۹۷)

علمِ حدیث اور اساتذہ کرام

امام ترمذیؒ نے اولاً اپنے شہر میں علم حاصل کیا، اس کے بعد طلبِ علم کے لیے حجاز، کوفہ، بصرہ، خراسان اور بغداد کے اسفار کئے اور وقت کے اکابر محدثین سے علم حاصل کیا، جن میں سے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، اسحاق بن موسی انصاری، قتیبہ بن سعید، محمد بن بشار، احمد بن منیع رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر محدثین شامل ہیں؛ لیکن علم حدیث میں جلالتِ شان، مہارت تامہ اور کمال امام بخاری محمد بن اسماعیلؒ کی محنت، توجہ تام اور خصوصی شفقتوں سے حاصل ہوا ہے۔

حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''وتفقه في الحديث بالبخاري''. (سیر اعلام النبلاء، تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۱۵۴)

امام ترمذی نے علم حدیث میں امام بخاریؒ سے کمال حاصل کیا ہے۔

امام بخاریؒ بھی امام ترمذیؒ کی بڑی قدر فرماتے تھے اور خوب محنت سے پڑھاتے تھے، نیز آپ سے خاص تعلق بھی تھا، یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے دو حدیثیں اپنے تلمیذ رشید سے سماعت کی ہیں، امام ترمذی نے ''جامع ترمذی'' میں ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

عن ابن عباس فی قول اللہ عزوجل: مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ. (ترمذی سورۃ الحشر ۲/۱۶۶)

یا علی لایحل لاحدان یجنب فی المسجد غیری و غیرک، قدسمع محمد بن اسماعیل منی ھذاالحدیث. (ترمذی، مناقب علی ۲/۲۱۴)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''تہذیب التہذیب'' میں امام ترمذیؒ کے متعلق امام بخاریؒ کا قول نقل فرمایا ہے:

ماانتفعتُ بك اکثرُ مما انتفعتَ بی. (بحوالہ مقدمہ تحفۃ الاحوذی:۲۶۹)

جس قدر آپ نے مجھ سے فائدہ حاصل کیا ہے، میں نے آپ سے اس سے کہیں زیادہ فائدہ حاصل کیا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے امام بخاریؒ کے مذکورہ قول کی تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اگر شاگرد ذہین وفطین اور ذی استعداد ہو، تو استاذ کو پڑھانے میں زیادہ دل چسپی ہوتی ہے، نیز استاذ پڑھانے میں زیادہ مطالعہ اور محنت کرتا ہے جس سے استاذ کو خوب فائدہ ہوتا ہے۔ (درس ترمذی ۱/۱۳۱)

امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب ''جامع ترمذی'' کو تصنیف فرمایا اور اس کتاب میں فقہی مستدلات، ائمہ مجتہدین کے اقوال کو جمع فرمایا، نیز رواۃِ حدیث پر کلام کیا ہے اور فرمایا کہ میں نے رواۃ کے سلسلے میں زیادہ تر امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے براہ راست استفادہ کیا ہے، بسااوقات امام ابوزرعہؒ، عبداللہ بن عبدالرحمن دارمیؒ وغیرہ کے اقوال کو بھی نقل کیا ہے۔ (کتاب العلل) یہی وجہ ہے کہ امام ترمذیؒ احادیث یا رواۃ پر کلام فرماتے ہوئے:

قال محمد، قال محمدبن اسماعیل، رسألت محمدا عن ھذاالحدیث، سمعت محمدا یقول کے الفاظ سے تقریباً ڈیڑھ سو سے زاید مقامات پر اپنے استاذِ محترم امام بخاریؒ کے اقوال اور تبصروں کو نہایت عظمت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں:

صنفت هذاالكتاب ،وعرضته على علماء الحجاز ،والعراق،وخراسان، فرضوا به،ومن كان في بيته هذا الكتاب، فكأنما في بيته نبي يتكلم.

(تذکرۃ الحفاظ،سیر اعلام النبلاء ١٠/ ٢٧٣)

میں نے اس کتاب کو مرتب کرنے کے بعد علمائے حجاز، عراق وخراسان کی خدمت میں پیش کیا، سب نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا، جس کے گھر میں یہ کتاب ہو، گویا اس کے گھر میں نبی ہیں جو احادیث بیان کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو بے حد قبول فرمایا، اس میں فقہی مستدلات اور ائمہ مجتہدین کے اقوال جمع ہیں، جب طالب علم ان مباحث میں روایۃً و درایۃً بحث کرتا ہے، تو طالبِ علم میں اجتہادی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، حضرت شیخ الہند، علامہ انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ ''ترمذی'' کا درس مفصل اور تمام متعلقہ مباحث پر سیر حاصل بحث کے ساتھ دیتے تھے اور بخاری شریف میں قدرے اختصار سے کام لیتے تھے۔

امام حاکم فرماتے ہیں:

سمعت عمر بن عُلَّك يقول:مات البخاري،فلم يخلف بخراسان مثل ابي عيسى في العلم، والحفظ، والورع، والزهد،بكى حتى عمي ضريرا سنين.

(تذکرۃ الحفاظ سیر اعلام النبلاء ١٠/ ٢٧٣)

امام بخاریؒ نے اپنی وفات کے بعد ''خراسان'' میں اپنے تلامذہ میں علم، حفظ روایت، زہد اور تقوی میں ترمذیؒ جیسا کوئی جانشین نہیں چھوڑا، امام ترمذیؒ امام بخاریؒ کی وفات کے غم سے روتے رہے؛ یہاں تک کئی سال بینائی سے محروم ہو گئے۔

خلاصہ کلام

امام بخاریؒ کی محنت، وقت کی قربانی اور توجہات کی برکت سے امام ترمذیؒ محدثین کے امام بنے، امت نے آپ کو امام بخاریؒ کا جان نشین تسلیم کیا، تلمیذ رشید نے علمِ حدیث میں ایک مایہ ناز، قابل فخر اور عظیم الشان کتاب تصنیف فرمائی جو فقہی مستدلات، ائمہ

مجتہدین کے اقوال اور علل حدیث پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نہایت جامع اور مفید ہے، اس عظیم الشان کتاب میں استاذِ محترم کے تبصروں اور فیصلوں کو بھی عظمت و احترام کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

وفات

امام ترمذیؒ کی وفات دوشنبہ ۱۳/رجب المرجب ۲۷۹ھ میں مقام ''ترمذ'' میں ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۳۷۳)

وہی شاگرد پھر ہو جاتے ہیں استادِ اے جوہر
جو اپنے جان و دل سے عظمتِ استاد کرتے ہیں

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلیمی اور تربیتی پہلو

آپ کا نام محمد قاسم، تاریخی نام خورشید حسین اور والد کا نام شیخ اسد علی ہے، چوالیس واسطوں سے آپ کا نسب عالی فقیہِ مدینہ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ سے ملتا ہے۔

آپ کی ولادت

آپ کی ولادت باسعادت ''نانوتہ'' ضلع ''سہارن پور'' کے ایک معزز صدیقی خاندان میں ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء میں ہوئی۔ (تاریخ دارالعلوم ۱/ ۱۰۲)

تعلیم وتربیت

حضرت نانوتویؒ بچپن ہی سے ذہین، بلند ہمت، وسیع حوصلہ، جفاکش، جری اور چست و چالاک تھے، ابتدائی تعلیم کے زمانے میں سب ساتھیوں سے آگے رہتے تھے، ناظرۂ قرآن مجید بہت جلد ختم کرلیا، مکتب کی تعلیم کے بعد دیوبند میں آپ کے ایک رشتہ دار کے گھر مدرسہ چلتا تھا، اس میں داخل ہوئے، جس میں حضرت شیخ الہندؒ کے والد محترم مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ بھی بڑی کتابیں پڑھ رہے تھے، اس مدرسے میں مولانا مہتاب صاحب مدرس تھے اور آپ نے مولانا مہتاب علی صاحب سے ''میزان'' و''منشعب'' پڑھی، چند دن آپ کو آپ کے نانا مولوی وجیہ الدین صاحبؒ کے گھر بھیج دیا گیا، جہاں آپ نے ''ہدایۃ النحو'' پڑھی اور فارسی نصاب کی تکمیل کی۔

۱۲۵۹ھ ۱۸۴۳ء میں حضرت مولانا مملوک علیؒ نے حضرت نانوتویؒ کو اپنے ہم راہ ''عربی کالج دہلی'' لے گئے جہاں مولانا مملوک علیؒ صاحب سرکاری مدرس تھے، حضرت نانوتویؒ کا داخلہ کروایا اور آپ کالج سے فارغ اوقات میں اپنے مکان پر دیر رات تک طلبہ کو دینی علوم کی تعلیم دیتے تھے، چناں چہ آپ نے مولانا کے مکان پر ''کافیہ'' سے تعلیم

کا آغاز کیا، کالج میں حضرت نانوتویؒ کا داخلہ برائے نام تھا؛ لیکن تعلیمی اعتبار سے حضرت نانوتویؒ کا نام نہایت روشن اور مشہور تھا، سالانہ امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل ہونے کی امید بھی تھی؛ لیکن آپ نے امتحان میں شرکت نہیں کی، اس لیے کہ کالج کی تعلیم آپ کی مقصود ومطلوب نہیں تھی جس پر کالج کے تمام اساتذہ کو افسوس ہوا۔

مولانا مملوک علیؒ صاحب اپنے مکان پر منطق وفلسفہ کی کتابیں پڑھاتے تھے، حضرت نانوتویؒ ان کتابوں کی عبارت پڑھتے تھے، کہیں رکتے نہیں تھے، نہ ہی ترجمہ کرتے تھے، جہاں مضمون پورا ہوتا، چند الفاظ کہہ کر آگے بڑھ جاتے، دیگر طلبہ حیران و پریشان ہوتے، یہ صفحات کے صفحات سنا دیتے ہیں اور ہمیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا، طلبہ نے مولانا مملوک علیؒ صاحب سے پوچھا کہ یہ سبق سمجھ کر پڑھتے ہیں، یا ایسے ہی ورق گردانی کرتے ہیں؟ مولانا نے فرمایا: میرے سامنے طالب علم بغیر سمجھے چل نہیں سکتا۔

(ملخص: از حیات وکارنامے: ۵۷)

اسی زمانے میں حضرت رشید احمد گنگوہیؒ مولانا مملوک علیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت نانوتویؒ کے ہم سبق ہوگئے، ان دونوں بزرگوں کی یہ رفاقت، ابتدائی تعلیم، حدیث کی تعلیم اور بیعت وسلوک میں قائم رہی اور رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد بھی دونوں ہم مشرب، ہم فکر اور ہم خیال رہے اور دونوں حضرات عملی میدان اور دینی اداروں کی سرپرستی وغیرہ میں ساتھ ساتھ رہے۔

حدیث شریف کی تعلیم

حضرت نانوتویؒ نے تمام علوم وفنون کی اکثر کتابیں مولانا مملوک علیؒ صاحب سے پڑھیں اور چند کتابیں دیگر اساتذہ سے بھی پڑھیں، علوم وفنون کی تکمیل کے بعد صحاحِ ستہ کی تعلیم کے بعد حضرت نانوتویؒ اور حضرت رشید احمد گنگوہیؒ دونوں حضرات حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نانوتویؒ نے حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ پڑھیں؛ البتہ سنن ابوداؤد شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ کے شاگرد مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ سے پڑھی۔

(حیات وکارنامے: ۶۳۔ ۶۴)

غرض یہ کہ حضرت نانوتویؒ نے صحاح ستہ کی تعلیم سے سترہ سال کی عمر میں ۱۲۶۵ھ م ۱۸۴۹ء میں سندِ فضیلت حاصل کی۔ (حیات وکارنامے:۷۰)

بیعت وسلوک

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے حضرت نانوتویؒ کی خاندانی قرابت اور رشتہ داری تھی، اس لیے حضرت حاجی صاحبؒ کی ''نانوتہ'' آمد ورفت بکثرت ہوا کرتی تھی، نیز حضرت حاجی صاحبؒ کبھی دہلی تشریف لے جاتے، تو مولانا مملوک علی صاحبؒ کے یہاں قیام فرماتے اور حضرت نانوتویؒ کے زمانہء طالب علمی میں بھی حاجی صاحبؒ کی آمد ورفت ہوتی رہی، نیز حضرت نانوتویؒ جب دہلی سے ''نانوتہ'' آتے اولاً ''تھانہ بھون'' حاجی صاحب کی خدمت میں حاضری ضرور دیا کرتے تھے۔

غرض یہ کہ حضرت نانوتویؒ کے لیے حضرت حاجی صاحب کی زیارتیں، ملاقاتیں اور شناسائیاں کم عمری ہی سے جاری تھیں اور آپ کا دل حاجی صاحب کی عقیدت، محبت اور عظمت سے معمور تھا، آپ کے رفیقِ خاص حضرت رشید احمد گنگوہیؒ سے حضرت حاجی صاحبؒ کے فضائل، مناقب اور کمالات بیان کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت گنگوہیؒ نے حضرت نانوتویؒ سے پہلے ہی حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔
(ملخص: از حیات وکارنامے:۶۶)

مطبع احمدی میں تصحیح کتب (تحقیق، تعلیق اور مراجعت)

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ حضرت شاہ محمد اسحاقؒ سے ''مکہ مکرمہ'' میں صحاح ستہ سبقاً سبقاً پڑھی تھی، ہندوستان واپس آئے، تو صحاحِ ستہ کی اشاعت کا ارادہ ہوا، اس لیے کہ ہندوستان میں صحاح ستہ نایاب تھیں، آپ نے دہلی میں اپنا ذاتی مطبع ''مطبع احمدی'' قائم فرمایا، اس مطبع میں ایک مصحح کی ضرورت تھی جس کو حدیث شریف سے مناسبت ہو (تصحیح کا مطلب: ایک کتاب کے کئی نسخے سامنے رکھ کر ایک قابل اعتبار نسخہ تیار کرنا ہے جس کو آج کی اصطلاح میں تحقیق، تخریج، تعلیق اور مراجعت وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے، محض لفظی اغلاط کی تصحیح مراد نہیں ہے) چناں چہ حضرت نانوتویؒ اس مطبع سے وابستہ ہو گئے۔

مطبع احمدی کے مالک اپنے عہد کے جلیل القدر محدث اور شاہ محمد اسحاقؒ صاحب کے شاگرد رشید بھی تھے، اس لیے بخاری شریف کی اشاعت کے ساتھ بخاری پر حواشی وتعلیقات کا بھی التزام فرمایا، مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ نے تقریباً پچیس پاروں پر حواشی تحریر فرمائے تھے کہ بعض مصروفیتوں کی وجہ سے حواشی وتعلیقات کا کام موقوف ہوگیا؛ چوں کہ حضرت نانوتویؒ اس مطبع سے وابستہ تھے، مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ حضرت نانوتویؒ کی قابلیت واستعداد سے واقف تھے اور آپ پر اعتماد بھی تھا، اس وجہ سے بقیہ اجزائے بخاری کے حواشی وتعلیقات کی ذمہ داری حضرت نانوتویؒ کے سپرد فرمادی۔

چناں چہ حضرت نانوتویؒ نے کام شروع فرمایا اور بخاری کے آخری ابواب (کتاب الحیل، کتاب القدر، کتاب الاحکام، کتاب التوحید) حنفیہ کے لیے بطور خاص دقیق ومشکل ترین ابواب میں سے ہیں، حضرت نانوتویؒ نے نہایت عمدہ وتحقیقی حواشی تحریر فرمائے، اسی عرصے میں محدث سہانپوریؒ سے بعض لوگوں نے کہا: حضرت آپ نے بخاری پر حواشی کا کام شروع کیا اور اب ایک نوعمر غیر تجربہ کار شخص کے حوالہ کردیا ہے، آپ خود اس کو تکمیل تک پہنچادیں، مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ نے فرمایا: میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ بدون سمجھے بوجھے ایسا کروں اور حضرت نانوتویؒ کا حاشیہ انھیں دکھایا، تو ان حضرات کو اطمینان ہوا۔ (حیات وکارنامے: ۷۴-۷۵)

درس وتدریس

۱۲۷۷ھ م ۱۸۶۰ء میں حضرت نانوتویؒ سفر حج سے واپس آئے اور ''نانوتہ'' قیام فرمایا، اس عرصے میں طلبہ نے آپ سے بخاری شریف پڑھنے کی درخواست کی، آپ نے منظور فرماکر بخاری شریف کا درس شروع فرمایا، مولانا محمد یعقوبؒ صاحب صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے حضرت نانوتویؒ سے اسی زمانے میں ۱۲۷۹ھ، م ۱۸۶۲ء میں ''نانوتہ'' میں بخاری شریف پڑھی ہے (حیات وکارنامے: ۹۹)

نیز اسی عرصے میں مولوی محی الدین خاں مرادبادی، مولانا عبد العلی میرٹھی مدرس

دار العلوم دیو بند اور مولانا رحیم اللہ بجنوری نے حضرتؒ سے بخاری شریف پڑھی ہے۔

(حیات وکارنامے:۱۰۶)

اس زمانے میں حضرت نانوتویؒ کے ایک مخلص دوست منشی ممتاز علی صاحب نے ''میرٹھ'' میں ایک مطبع قائم کیا اور آپ سے درخواست کی آپ مطبع سنبھالیں اور کتابوں کی تصحیح کا بھی کام کریں، چناں چہ آپ نے اس ذمہ داری کو قبول فرمایا اور ''میرٹھ'' تشریف لے گئے۔

ابتدائے ملازمت ہی سے صحاحِ ستہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا، ''میرٹھ'' منتقل ہونے کے بعد صحاح ستہ کی تعلیم شروع ہوگئی، مولانا یعقوب صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ سے مسلم شریف یہیں پڑھی؛ حالاں کہ مولانا یعقوبؒ صاحب اسی مطبع میں ملازمت کے فرائض انجام دے رہے تھے، مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی ''ندوۃ العلماء'' لکھنو نے بھی اسی زمانے میں آپ سے مسلم شریف پڑھی، نیز شیخ مولانا محمود حسن دیو بندیؒ نے اسی زمانے اور سفر وحضر میں صحاح ستہ پڑھی ہے، ان کے علاوہ بہت سے علماء جنھوں نے علمی دنیا میں بڑی شہرت حاصل کی اسی زمانے (قیام میرٹھ) میں آپ سے حدیث کی کتابیں پڑھی ہیں۔ (ملخص: از حیات وکارنامے:۱۰۱)

درس کا انوکھا انداز

حضرت نانوتویؒ کا درسِ حدیث حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ اور شاہ محمد اسحاق محدث دہلیؒ کے درس کے طرز پر ہوتا تھا، احادیث سے معانی کا استخراج، مسائل کا استنباط، ائمہ کے اختلافات اور دلائل کی تشریح وتوضیح اس انداز سے پیش فرماتے کہ طلبہ حیرت زدہ ہوجاتے۔

مولانا محمد علی مونگیریؒ بانیٔ ''ندوۃ العلماء'' لکھنو تحریر فرماتے ہیں:

''طالب علمی کے زمانے میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے درسِ حدیث میں شریک ہونے کی سعادت مجھے بمقام ''میرٹھ'' میسر آئی تھی، غالباً یہ وہی زمانہ تھا جب صحیح مسلم کا درس جاری تھا، حدیث پڑھی گئی، حنفیوں اور شافعیوں کے کسی اختلافی مسئلے سے حدیث کا تعلق تھا، میں نے دیکھا کہ مولانا ایک ایسی جامع اور مدلل تقریر کی جس سے کلیۃً شافعی

نقطہ نظر کی تائید ہوتی تھی، طلبہ حیران ہوئے، کہنے لگے کہ آپ کی اس تقریر سے تو معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ ہی کا مسلک صحیح ہے اور حنفیوں کا مذہب حدیث کے مطابق نہیں ہے۔

تب میں نے دیکھا کہ مولانا نانوتویؒ کا رنگ بدلا اور فرمانے لگے کہ شوافع کی طرف سے اس مسئلے کی تائید میں زیادہ سے زیادہ کہنے والے اگر کچھ کہہ سکتے ہیں، تو یہی کہہ سکتے ہیں، جو تم سن چکے ہو، اب سنو، امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی بنیاد یہ ہے، اس کے بعد مولانا نانوتویؒ نے اس طرح تقریر کی کہ لوگ مبہوت بنے سنتے رہے، ابھی جس مسلک کے متعلق ان کا یقین تھا کہ اس سے زیادہ حدیثوں کے مطابق کوئی دوسرا مسلک نہیں ہوسکتا، اچانک معلوم ہوا کہ درحقیقت صحیح حدیثوں کا مفاد وہی ہے جسے امام ابوحنیفہؒ نے منقح فرمایا ہے۔ (حیات وکارنامے: ۱۰۳)

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

''میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصنیفات دیکھ کر حضرت نانوتویؒ کے درس میں شریک ہوتا تھا اور وہ باتیں پوچھتا تھا جو شاہ صاحب کی تصنیفات میں غایت مشکل ہیں، شاہ صاحبؒ کے یہاں جو آخری جواب ہوتا تھا، وہ حضرت نانوتویؒ اول ہی مرتبہ فرما دیتے تھے، میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے''۔ (تاریخ دار العلوم ۱/ ۱۱۳)

غرض یہ کہ رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد ذاتی طور پر آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا اور ہر علم وفن کی کتابیں پڑھائیں، مسند درس بھی کسی ایک جگہ قائم نہیں رہی؛ بلکہ آپ کا حلقہ درس کبھی ''نانوتہ'' کبھی ''میرٹھ'' کبھی ''دیوبند'' کی چھتہ مسجد میں، جہاں کچھ عرصہ قیام ہوا، طلبہ وہیں چلے آتے اور سبق شروع ہوجاتا، بایں وجہ آپ کے تلامذہ کی مکمل فہرست تیار کرنی مشکل ہے۔ (حیات وکارنامے: ۱۰۸)

دار العلوم دیوبند کا قیام اور اس کا مقصد

جب ہندوستان پر انگریزی حکومت کا تسلط ہوا، ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں پر قیامت صغریٰ قائم ہوئی، اسلام اور مسلمانوں کے وجود پر خطرات منڈلا رہے تھے، حاکم محکوم بن گئے تھے، انگریز نے مسلمانوں کے مادی وجسمانی وجود کے ساتھ اسلام کو بھی

نشانہ بنایا تھا، غدر کے بعد اسلامی مدارس کا وجود ختم ہو گیا تھا، انگریز سمجھتے تھے کہ ہندوستان میں اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے اسلام کو مٹانا لازم ہے۔

جب تک ہندوستان میں اسلام زندہ ہے، ہمارا اقتدار کبھی پائیدار اور مستحکم نہیں ہو سکتا، انہیں معلوم تھا کہ ''اسپین'' میں اسلام کو مٹا دیا گیا، تو مسلمانوں کا وجود مٹ گیا، اس لیے انگریز انگریزی تعلیم کی سہولیات اور ملازمت کے جھانسوں کے ذریعے اور عیسائیت کی تبلیغ، ترویج، اشاعت اور عیسائیت کی قبولیت پر انعامات کی ترغیب کے ذریعے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

ان حالات میں حضرت نانوتویؒ اور آپ کے رفقائے کار نے اسلام کی بقا، تحفظ، دفاع اور مسلمانوں کے ملی و دینی تشخص کی حفاظت، مغربی تہذیب وتمدن کے امنڈتے سیلاب اور ہلاکت خیز طوفان کو روکنے کے لیے علماء، صلحاء، دین وشریعت اور ملک وملت کی حفاظت کرنے والی جماعت تیار کرنے کے لیے بروز جمعرات ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ م ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء دیوبند ضلع سہارن پور یوپی میں چھتے کی قدیم مسجد کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے درخت کے سائے میں نہایت سادگی کے ساتھ دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ (مستفاد: از حیات وکارنامے: ۱۲۳۔ ۱۲۴)

دارالعلوم کے قیام سے حضرت نانوتویؒ کا مقصد ایسے رجال کی تیاری تھی جو ہر زمانے میں اسلام کو درپیش مسائل کا مقابلہ کرنے والے ہوں، اسلام کی بقا و تحفظ کا جوش اور ولولہ ان کے دلوں میں موج زن ہو اور اس راہ میں ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہوں، صلاحیت و استعداد اتنی پختہ ہو کہ علمی مسائل میں پورے یقین واعتماد کے ساتھ حصہ لے سکیں اور سیاسی ہنگامہ آرائیوں میں قائدانہ کردار ادا کر سکیں اور اسلام پر جس محاذ سے بھی حملہ کیا جائے، اس کی مدافعت کی استعداد ان میں موجود ہو۔ (حیات وکارنامے: ۱۳۸)

حضرت نانوتویؒ کا عظیم کارنامہ؛ مردم سازی کا کارخانہ

حضرت نانوتویؒ کی خدماتِ جلیلہ کا عظیم الشان کارنامہ دارالعلوم دیوبند کا قیام ہے، ہندوستان میں دارالعلوم سے پہلے اسلامی مدارس اور کالجس موجود تھے جو افراد سازی میں مصروف تھے، علم وفن میں درجہء کمال حاصل کیا تھا، فارغین نے فن کی کتابیں تصنیف کیں، شرحیں لکھیں، طلبہ کے لیے سہولتیں فراہم کیں؛ لیکن کسی ادارے کی وجہ سے مسلم معاشرہ اتنا متاثر نہیں ہوا، جتنا دارالعلوم دیوبند کی وجہ سے مسلم معاشرے کی اصلاح ہوئی۔

دینی اعتبار سے حالات کا رخ بدلا اور اس کے دوررس نتائج ظاہر ہوئے اور ہو رہے ہیں، ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی پر دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی اصلاحی کوششوں کے نمایاں اثرات رونما ہوئے، عقائد کی درستگی، تبلیغ دین، فرقِ ضالہ سے مناظرہ اور بدعات ورسومات کی اصلاح سے متعلق دارالعلوم کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

دارالعلوم نے رجالِ کار پیدا کئے اور انہیں ذہنی وفکری انتشار سے محفوظ رکھا، دارالعلوم نے بتایا کہ انفرادیت کوئی چیز نہیں ہے، اسلام کے لیے رجالِ کار کی افادیت اجتماعیت میں ہے، مذہبی مدارس کا مقصد دینِ اسلام کی اجتماعی خدمت ہے، ذہن وفکر کو اسلام کے تقاضوں کے سمجھنے میں مصروف رکھے، مسلم معاشرے کو کج روی اور کج راہی سے بچایا جائے۔

حضرت نانوتویؒ نے قیام دارالعلوم اور دیگر اسلامی مدارس کے قیام سے یہی کوشش فرمائی جو اب تک ہندوستان میں نہیں ہوئی تھی، بے شمار مدارس کی بنیاد رکھی، ترغیب دی، تحریک چلائی اور آپ نے اسلامی و دینی مدارس کی بقا وتحفظ، ترقی وتعمیر کے لیے رہ نما وزریں ''اصول ہشت گانہ'' وضع فرمائے، تاریخ گواہ ہے کہ جو مدارس ان اصول کے پابند ہیں، شر پسند، یا سرکاری محکموں کو ان کے خلاف انگلی اٹھانے کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

دارالعلوم کے قیام کے بعد ''مظاہر العلوم'' ''جامعہ قاسمیہ'' مرادآباد اور ''ندوۃ العلماء'' لکھنو وغیرہ قائم ہوئے، اپنے حالات کے اعتبار سے اپنا اپنا طریقہء تعلیم اختیار کیا، یہ تمام مدارس اپنے امتیازات وانفرادی خصوصیات کے باوجود ایک ہی رشتے میں منسلک تھے،

ان سب کا وہی مقصد تھا جس مقصد کے لیے دار العلوم کا قیام وجود میں آیا تھا۔
(مستفاد: حیات و کارنامے: ۳۰۳۔۳۰۴)

حضرت نانوتویؒ کے کارناموں پر ایک اجمالی نظر

حضرت نانوتویؒ نے بذاتِ خود ملک کو انگریز کے ظلم و استبداد کے چنگل سے نکالنے کے لیے اپنے اکابر و رفقاء کے ساتھ ۱۸۵۷ء میں جہاد کیا، جب جہاد میں ناکامی ہوئی اور مسلمانوں کا عرصہ ءحیات تنگ ہونے لگا، اسلام کا وجود خطرے میں پڑ گیا، تو امام قاسم نانوتویؒ نے اسلام اور ملک کے تحفظ و بقا کے لیے دار العلوم دیو بند کی بنیاد رکھی؛ تاکہ یہاں سے ایسے رجالِ کار پیدا کئے جائیں جو اسلام اور مسلمانوں کے ایمان و عقائد کا تحفظ کریں اور اپنے وطن عزیز کی حفاظت کریں۔

نیز ۱۸۵۷ء کے بعد عیسائیت کی تبلیغ، اشاعت اور ترویج پوری قوت سے شروع کی گئی اور عیسائی پادریوں کے ذریعے منظم سازش کے تحت اسلام کو مٹانے کے لیے اور اسلام کی حقانیت میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے ہندوستان کے طول و عرض میں مناظروں کا بازار گرم کیا گیا، تو عیسائی پادریوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور شاہجہاں پور میں مشہور میلہ ''میلہ خدا شناسی'' حکومت کے زیرِ نگرانی منعقد کیا گیا۔

حضرت نانوتویؒ نے اپنے تلامذہ حضرت شیخ الہندؒ، مولانا مرتضی حسنؒ چاند پوری، مولانا عبد العلی میرٹھیؒ اور مولانا عبد الاحدؒ وغیرہ کے ساتھ شرکت فرمائی اور اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا، عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو ناکامی ہوئی اور حکومت اپنے مقصد میں ناکام و نامراد ہوئی۔ (افاداتِ قاسمیہ مطبوعہ دار المؤلفین دیو بند میں میلہ خدا شناسی کی تقریر بعینہ نقل کی گئی ہے)

آریہ سماج کے بانی دیانند سرسوتی اپنے پنڈتوں کے ساتھ اسلام کے خلاف زہر اگلنے لگا، اپنے مذہب کے فضائل اور اسلام کی حقانیت اور دین کے مسلمہ اصول و شعائر پر جارحانہ طریقے پر بے ہودہ اعتراضات کرنے لگا، تو حضرت نانوتویؒ نے حضرت شیخ الہندؒ، مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ اور حافظ عبد العدلؒ صاحب کو ''رڑکی'' روانہ کیا، اپنے تلامذہ کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور آپ کے تلامذہ اس کے مستقر ''رڑکی'' روانہ ہوئے اور جگہ جگہ جلسے کئے اور

اسلام کی حقانیت پر تقریریں کیں اور اسلام کا دفاع کیا۔

چند دن بعد طبیعت کی ناسازی کے باوجود بذات خود حضرت نانوتویؒ دیانند سرسوتی سے مناظرہ کے لیے ''رڑکی'' پہنچے ؛لیکن وہ راہ فرار اختیار کر گیا، آپ تین دن ''رڑکی'' میں قیام فرما کر مسلسل وعظ فرماتے رہے، مسلمان، ہندو، عیسائی، انگریز افسر اور فوجی وعظ کی مجلسوں میں شرکت کرتے رہے، آپ اسلام کی حقانیت پر ایسے عقلی، تجرباتی، مشاہداتی دلائل اور براہین بیان فرماتے کہ غیر مسلم بھی حیرت زدہ ہوجاتے، دیانند سرسوتی کے تمام اعتراضات کے اطمینان بخش جوابات دئے اور آپ نے ان تقریروں میں تمام اہل مذاہب پر ظاہر کیا کہ قبول اسلام کے بغیر عذابِ آخرت سے نجات ممکن نہیں۔

جب دیانند سرسوتی نے ''رُڑکی'' سے فرار ہوکر ''میرٹھ'' میں پناہ لی، تو حضرت نانوتویؒ ''میرٹھ'' چلے گئے، کسی طرح اس کو پکڑلیا؛ لیکن وہاں سے بھی وہ کسی طرح فرار ہوگیا، اس کے بعد وہ کہیں نظر نہیں آیا۔

نیز شیعیت کا رد اور مسلم معاشرے میں درآنے والی شیعی خرافات ورسومات کا قلع قمع، برادرانِ وطن کے اختلاط سے درآنے والے بے شمار مشرکانہ توہمات وعقائد، رواج ورسومات کا ازالہ اور معاشرے کی اصلاح کی بذات خود بھرپور کوشش فرمائی، غرض یہ کہ غدر کے بعد جو تعلیمی تحریک شروع فرمائی، آپ اس قافلے کے سالار اور روح رواں تھے، آپ نے تعلیمی، تبلیغی، تصنیفی، سیاسی اور معاشرتی امور میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے عظیم الشان خدمات انجام دیں۔

فکرِ قاسمی کے ثمرات واثرات

آپ کی مذکورہ خدماتِ جلیلہ وصفاتِ عظیمہ (اعلائے کلمۃ اللہ، اتباعِ سنت کا جذبہ، اسلام ومسلمانوں کا تحفظ، اسلام کا دفاع، احقاقِ حق وابطالِ باطل، ملک وملت کی حفاظت کے جذبات واحساسات، دینی حمیت اور اسلامی غیرت، اشاعتِ دین کے لیے قربانی، اصلاح معاشرے کی فکر ومساعی جمیلہ، علمی وسعت وگہرائی زہد وتقوی اور استغنا وتوکل وغیرہ صفات) پر تلامذہ کی تربیت فرمائی۔

ان جذبات وصفات کے حامل افراد پیدا کرنے کے لیے آپ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی اور آپ کے تربیت یافتہ افراد مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند، حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ نے دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں اور ان حضرات کی محنتوں سے حکیم الامت حضرت تھانویؒ، محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم کفایت اللہ دھلویؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ وغیرہ۔ رحمہم اللہ۔ خادمینِ دین وملت تیار ہوئے۔

بے شمار تلامذہ کو ملک کے طول وعرض میں روانہ فرمایا جنہوں نے مختلف علاقوں میں دینی خدمات انجام دیں اور فکرِ قاسمی حسب توفیقِ الٰہی بلاواسطہ اور بالواسطہ تلامذہ میں منتقل ہوئی، الحمدللہ آج تک یہ فکرِ قاسمی فرزندانِ دارالعلوم میں منتقل ہورہی ہے، وہ دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل کر دین کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔

اس وادیٔ گل کا ہر غنچہ، خورشید جہاں کہلایا ہے

دارالعلوم کا تعلیمی نظام ابتدا ہی سے نہایت عمدہ معیاری اور نتیجہ خیز رہا ہے، چناں چہ یہاں سے مفسرینِ قرآن، محدثین کرام، فقہاء ومفتیان عظام، مصلحین امت، متکلمین و مبلغینِ اسلام، حامیانِ دین وشریعت پیدا ہوئے اور ہر محاذ سے دین واسلام اور ملک وملت کی عظیم خدمات انجام دیں۔

حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد فرقِ باطلہ وضالہ: غیر مقلدیت، قادیانیت، رضاخانیت، مودودیت، شکیلیت وغیرہ کا تعاقب کیا، امت کو ان فتنوں سے آگاہ کیا، ہزاروں ایمان والوں کے ایمان وعقائد کی حفاظت کی، بے راہ روی اور کج روی سے امت کو بچایا ہے۔

ہر زمانے میں وجود میں آنے والے نئے نئے فتنوں کو بہت پہلے ہی سے بھانپ لینا اور امت کو ان پر متنبہ کرنا، ہر شعبۂ زندگی میں افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ اختیار کرنا اور جمہورِ امت، اہل سنت وجماعت کے طریق پر قائم رہنا اور اس کی راہ دکھانا علمائے دیوبند کا امتیاز وشعار رہے، الحمدللہ دارالعلوم نے اپنے اس مذہبی فریضہ کی انجام

دہی میں کبھی کوئی کسر نہیں چھوڑی ۔

کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخِ فقیری کے آگے، شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں

حضرت شیخ الہندؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ مولانا عبید اللہ سندھیؒ وغیرہ نے ہندوستان کی آزادی میں قائدانہ کردار ادا کیا، قید و بند اور جلاوطنی کی صعوبتیں برداشت کیں، ملک کی آزادی کے لیے منظم اور پرامن جدو جہد کے لیے جمعیۃ علمائے ہند کی بنیاد رکھی گئی جس کے پہلے صدر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ دہلوی اور ناظم عمومی سحبان الہند مولانا سعید احمدؒ صاحب مقرر ہوئے، آزادی کے بعد ہندوستان کی تقسیم کے موقع پر خوف زدہ مسلمانوں کو دلاسا دیا، ہندوستان میں سکونت اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔

آزادی کے بعد ہندوستان کے دستور کو جمہوری بنائے جانے کی بھرپور کوشش کی، آزادی کے بعد سے آج تک ملک کے دستور، مسلمان اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے قانونی اور پرامن کوشش کررہی ہے، نیز مسلمان اور اقلیتوں کی تعمیر و ترقی میں نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے، ملک کے تئیں مذکورہ خدمات علمائے دیوبند کا ایک روشن باب ہے۔

اسلام کے اس مرکز سے ہوئی، تقدیس عیاں آزادی کی
اس بامِ حرم سے گونجی ہے، سو بار اذاں آزادی کی
سو بار سنوارا ہے ہم نے، اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہل جنوں بتلائیں گے، کیا ہم نے دیا ہے عالم کو

ہندوستان کی آزادی کے بعد ملک کا دستور سیکولر بنا جس میں تمام اہلِ مذاہب کے لیے مذہبی آزادی کی گنجائش رکھی گئی؛ لیکن روزِ اول ہی سے ہندوستان میں ایک ایسا طبقہ سرگرم رہا ہے جو یہ چاہتا ہے کہ ملک میں مسلمانوں کا مذہبی تشخص ختم کیا جائے، ان کی شریعت میں راست طور پر مداخلت کی جائے اور یکساں سول کوڈ نافذ کیا جائے۔

یہ ناپاک منصوبہ جب پہلی مرتبہ منظرِ عام پر آیا، مسلمان تحفظِ شریعت کے تئیں

پریشان ہوئے، تو سب سے پہلے قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے دارالعلوم میں نمائندہ اجلاس طلب کیا، تحفظ شریعت کے لیے متعدد مشورے ہوئے اور آخر کار ممبی میں ۱۹۷۲ء میں نمائندہ کنویشن منعقد ہوا جس میں مسلمانوں کے تمام طبقات کا ایک متحدہ بورڈ ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' تحفظِ شریعت کے مقصد سے قائم کیا گیا اور اس کے سب سے پہلے صدر قاری محمد طیب صاحبؒ منتخب ہوئے۔

بورڈ از روزِ اول تا حال ہندوستان میں تحفظِ شریعت کے لیے کوشاں ہے اور ہر اس سازش کا مقابلہ کرتا آرہا ہے جس کا مقصد شریعت میں تبدیلی، تنسیخ اور مداخلت ہے، بورڈ سیاسی سطح پر تحفظِ شریعت کا سامان فراہم کرتا ہے، نیز تحفظِ شریعت کے خلاف ہونے والی ہر سازش کا قانونی اور آئینی اعتبار سے دفاع کے فرائض انجام دیتا ہے، اس عظیم بورڈ کے قیام کا سہرا بھی دارالعلوم دیوبند کے سر جاتا ہے۔

مذکورہ بالا اجمالی خدمات فکرِ قاسمی ونسبت قاسمی کے اثرات ہی ہیں جن کو حضرت الامام قاسم نانوتویؒ کے روحانی فرزندوں نے انجام دیں، اللہ تعالیٰ نے آج بھی آپ کے روحانی فرزندوں کو دین واسلام اور ملک وملت کے تحفظ کی عظیم خدمات انجام دینے کی توفیق دی ہے۔

حضرت نانوتویؒ کے بلاواسطہ تلامذہ اگرچہ تعداد میں کم تھے؛ لیکن جو تھے، وہ سمندر کی وسعت، موجوں کا تلاطم، پہاڑوں کی ثابت قدمی، بارانِ رحمت کی تیزی وفیاضی، شمس و قمر کی گردش اپنے اندر لیے ہوئے تھے۔

چنانچہ اس چھوٹی سی جماعت نے ان صفات کے حامل ہزاروں تلامذہ کو تیار کیا، رفتہ رفتہ اس عظیم شخصیت کے روحانی فرزندوں نے علمی واسلامی دنیا میں عظیم خدمات انجام دیں اور ان کے لگائے ہوئے شجرِ طوبی کا فیض دنیا کے چپے چپے میں عام ہوا، وہ جہاں رہتے ہیں، مثل خورشید جیتے ہیں اور ان ہی صفات (اسلام کی اشاعت وحفاظت، ملک کا تحفظ، دینی حمیت واسلامی غیرت) کے تشخص کے ساتھ حسب توفیقِ ایزدی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یہ سب حضرت نانوتویؒ کے روحانی فرزند ہیں، حضرت نانوتویؒ کا سلسلۂ نسب سیدنا

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے، حضرت صدیق اکبرؓ میں جو دینی جذبہ کارفرما تھا۔

"اینقص الدین و انا حي؟"

یہی جذبہ صدیق اکبرؓ کے نسبی و روحانی فرزند اور ان کے توسط سے ان کی روحانی نسل میں موج زن ہے، یہ جذبہ اگر فضلائے دیوبند اور ان کے متعلقین میں بیدار نہ ہو، تو گویا نسبتِ قاسمی صحیح معنوں میں ان میں منتقل نہیں ہوئی۔

یوں سینہء گیتی پر روشن، اسلاف کا یہ کردار رہے
آنکھوں میں رہیں انوارِ حرم، سینہ میں دل بیدار رہے

وفات

۴۹/سال کی عمر میں ۴/جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ م ۱۸۸۰ء ہوئی، قبرستان قاسمی میں آسودۂ خواب ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم ۱/۱۲۲)

حضرت نانوتویؒ کے چند مشہور تلامذہ

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی ولادت بمقام ''نانوتہ'' ۱۲۴۹ھ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اور حفظِ قرآن کے بعد آپ اپنے والد محترم مولانا مملوک علی صاحبؒ کے ساتھ دہلی چلے گئے اور والد محترم سے تمام علومِ متداولہ کی کتابیں پڑھیں، کتبِ حدیث حضرت شاہ عبد الغنی مجددیؒ سے پڑھیں، آپ کو ہر علم وفن میں کمال حاصل تھا، آپ صاحبِ باطن، صاحبِ کرامات اور صاحبِ کشف بزرگ تھے، دار العلوم میں تقریبا انیس (۱۹) سال تدریسی وصدر مدرسی کے فرائض انجام دئے۔

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ سے علومِ متداولہ سے فراغت کے بعد ''صحیح بخاری'' ''نانوتہ'' میں اور ''صحیح مسلم'' میرٹھ میں پڑھی؛ جب کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ حضرت نانوتویؒ کے ساتھ تصحیح کتب کی ملازمت کررہے تھے، نیز حضرت نانوتویؒ کے استاذ زادے بھی تھے، اس کے باجود آپ کا دل حضرت نانوتویؒ کی عظمت وعقیدت سے پر تھا، آپ کے علمی کمال وجلال سے مرعوب ومتاثر بھی تھے، جس کی گواہی آپ کی تحریر کردہ سوانح ''سوانح قاسمی'' ہے، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت تھانویؒ، وغیرہ آپ کے تلامذہ ہیں۔ (مستفاد: تاریخ دار العلوم ۲/ ۱۷۷)

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا فخر الحسن گنگوہی ۱۲۹۰ھ میں دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ''خوجہ'' (بلندشہر) کے مدرسے میں صدر مدرس ہوئے، بعد ازاں ''مدرسہ عبد الرب دہلی'' میں تدریسی ودرسِ حدیث کی خدمات انجام دیں، بہت ذی علم، اچھے مقرر ومناظر تھے، حضرت نانوتویؒ سے بہت سی کتابیں پڑھی ہیں، قیام میرٹھ کے زمانے میں حضرت سے علم حاصل کیا ہے۔

حضرت نانوتویؒ کے اسفار میں رفیق ہوا کرتے تھے، ''میلہ خدا شناسی'' شاہجہاں پور، ''مناظرہ رڑکی'' وغیرہ میں حضرت نانوتویؒ کے ساتھ شریک ہوئے، ''مباحثہ شاہ جہاں پور'' مرتب کیا ہے، سنن ابوداؤد پر ''التعلیق المحمود'' کے نام سے حاشیہ تحریر فرمایا ہے، نیز ''سنن ابن ماجہ'' اور ''تلخیص المفتاح'' پر حواشی تحریر فرمائے ہیں، تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل اپنے استاذِ محترم حضرت نانوتویؒ کی مفصل سوانح مرتب فرمائی تھی، آپ کے گھر میں آگ لگ گئی جس کی وجہ سے وہ مسودہ بھی نذر آتش ہوگیا، کانپور میں ۱۳۱۵ھ م ۱۸۹۷ء کو وفات پائی۔ (مستفاد: تاریخ دارالعلوم ۲/۷۳، حیات وکارنامے: ۱۰۹)

مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید احمد حسن امروہیؒ کی ولادت ۱۲۶۷ھ میں ہوئی، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم ''امروہہ'' میں مولانا سید رافت علی صاحبؒ سے حاصل کی، حضرت نانوتویؒ سے حدیث اور دیگر علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں، حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ اور مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ سے بھی اجازتِ حدیث حاصل ہے، حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بیعت وخلافت حاصل ہے، حضرت شیخ الہندؒ کے رفیق درس، جلیل القدر محدث اور مناظرِ اسلام تھے۔

آپ نے قیام میرٹھ کے زمانے میں حضرت نانوتویؒ سے علم حاصل کیا ہے، مختلف مدارس میں خدمات انجام دیں اور ''جامعہ قاسمیہ شاہی'' مرادآباد کے صدرالمدرسین ہوئے، پھر ''جامعہ قاسمیہ شاہی'' سے مستعفی ہوکر اپنے وطن ''امروہہ'' چلے گئے، ''امروہہ'' میں ایک قدیم مدرسہ کو نشاۃِ ثانیہ کے ذریعے ترقی دے کر جملہ علوم وفنون اور علمِ حدیث کو جاری فرمایا، الحمدللہ وہ مدرسہ تاحال اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ جاری وساری ہے، مولانا کی درسی تقریر نہایت جامع، شستہ اور پرمغز ہوتی تھی، اپنی مخصوص صلاحیتوں کی وجہ سے علومِ قاسمیہ کے امین سمجھے جاتے تھے، عمر بھر علومِ قاسمی کی ترویج واشاعت میں مصروف رہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''ہر شخص جس کو کچھ بھی تجربہ ہو، یہ جانتا ہے کہ دنیا میں بہت کم علماء ایسے ہوئے ہیں جن کو علمی شعبوں کی ہر شاخ میں پوری دست گاہ حاصل ہو، مثلاً جن حضرات کو وعظ کہنے میں ملکہ ہوتا ہے، وہ تدریس پر پورے قادر نہیں ہوتے اور جو تدریس کے کام میں مشغول ہوتے ہیں، ان کو کسی مجمع میں وعظ یا تقریر کرنا مشکل ہوتا ہے۔۔۔لیکن قدرت نے اپنی فیاضی سے ہمارے مولاناؒ میں یہ سب اوصاف اعلیٰ طور پر جمع کردئے تھے۔

مولانا کی تقریر، تحریر، ذہانت، تبحر، اخلاق اور علومِ عقلیہ نقلیہ میں کامل دست گاہ ضرب المثل تھی اور سب سے زیادہ قابلِ قدر اور ممتاز کمال مولانا کا یہ تھا کہ حضرت قاسم العلوم والخیرات کے دقیق اور غامض علوم کو ان ہی کے لب ولہجہ اور طرزِ ادا میں صفائی اور سلاست کے ساتھ بیان فرماتے تھے''۔

۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ م ۱۹۱۲ء میں ''امروہہ'' میں وفات پائی، جامع مسجد ''امروہہ'' میں تدفین عمل میں آئی۔ (تاریخ دارالعلوم ۲/۴۱)

مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نانوتویؒ کے ممتاز تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے، مولانا احمد علی محدث سہانپوریؒ اور مولانا نانوتویؒ سے حدیث کی کتابیں پڑھیں، دارالعلوم سے فراغت پائی او رعرصہء دراز'' دارالعلوم دیوبند''میں استاذ رہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، علامہ انورشاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ وغیرہم آپ کے تلامذہ ہیں، پھر دارالعلوم سے مستعفی ہوکر ''مدرسہ عبدالرب دہلی'' چلے گئے اور درسِ حدیث میں مشغول ہوگئے، زہد وتقوی اور پرہیز گاری میں اپنی مثال آپ تھے، آخری سانس تک صفِ اول ترک نہیں ہوئی، آپ پر فالج کے حملہ کے باوجود صفِ اول میں نماز کا اہتمام رہا۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ کا یہ مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے ''قاسمی ہوجاؤ، بھوکے ننگے نہ رہوگے، مجھ اپاہج کو دیکھو، نہ اٹھ سکتا ہوں، نہ بیٹھ سکتا ہوں؛ مگر رزق کی یہ بہتات ہے کہ میرا حجرہ ہمہ قسم کی نعمتوں سے ہمہ وقت بھرپور رہتا ہے''۔

(مستفاد: از تاریخ دارالعلوم ۲/۴۳)

۱۳۴۰ھ میں انتقال ہوا، ''مہدیان'' مقبرۂ خاندانِ ولی اللہ میں مدفون ہوئے۔

(حضرت نانوتوی: حیات وکارنامے: ۱۱۲)

مولانا عبدالعدل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نانوتویؒ کے قابلِ اعتماد شاگردوں میں سے ہیں، ان کی علمی استعداد پر حضرت نانوتویؒ کو اعتماد تھا، ''رڑکی'' میں دیانند سرسوتی کے مناظرے کے لیے جن طلبہ کو روانہ فرمایا تھا، ان میں مولانا بھی شامل تھے۔ (حیات وکارنامے: ۱۱۰)

مولانا عبدالرحمن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نانوتویؒ کے آخری دور کے شاگرد رشید ہیں، مرض الوفات میں حضرت نانوتویؒ سے ''ترمذی شریف'' پڑھی ہے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور مختلف مدارس میں تدریسی خدمات پر مامور تھے، ''جامعہ اسلامیہ'' ڈابھیل میں درس حدیث دیا ہے، آخر میں ''جامعہ اسلامیہ امروہہ'' میں شیخ الحدیث رہے، حضرت حاجی امداد اللہؒ صاحب کے خلیفہ بھی ہیں، جمادی الاخری ۱۳۶۷ھ م ۱۹۴۸ء میں ''امروہہ'' میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔ (حیات وکارنامے: ۱۱۰)

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نانوتویؒ کے جانشین، آپ کے طاقتور روحانی فرزندِ جلیل، دارالعلوم دیوبند کے عظیم سپوت اور فکر قاسمی کے علم بردار ہیں۔

تذکرہ کیسے کروں میں، تیری دانائی کا
میری حد میں نہیں، رتبہ تری بالائی کا

❁--❁--❁

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی تعلیمی وتدریسی خدمات

اور آپ کی شخصیت سازی میں حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کا کردار

نام ونسب اور ولادت باسعادت

آپ کا اسم گرامی محمود حسن والد محترم کا نام ذوالفقار علی بن فتح علیؒ، ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں قصبہ ’’بریلی‘‘ میں آپ کی ولادت ہوئی جہاں آپ کے والدِ محترم ملازمت کے سلسلے میں قیام پذیر تھے، آپ کے والد محترم دارالعلوم دیوبند کی سب سے پہلی مجلسِ شوریٰ کے رکن رکین بھی تھے۔

تعلیم وتربیت

چھ سال کی عمر میں آپ کی بسم اللہ ہوئی اور میاں جی منگلوری سے ناظرۂ قرآنِ مجید کی تکمیل فرمائی، اردو فارسی کی ابتدائی کتب شیخ عبداللطیف صاحبؒ سے پڑھیں، سات سال کی عمر میں آپ کو اپنے وطن اصلی ’’دیوبند‘‘ بھیج دیا گیا، آپ کے گھر پر آپ کے تایا ابا مولانا مہتاب علیؒ صاحب کا گھریلو مدرسہ جاری تھا، چناں چہ آپ نے اپنے تایا سے ’’قدوری‘‘ ’’شرح تہذیب‘‘ وغیرہ کتب پڑھیں، آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی، آپ نے پہلے طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر ۱۲۸۳ھ تا ۱۲۸۵ھ تعلیم حاصل کی۔ (ملخص: از حضرت شیخ الہند حیات وخدمات: ۴۵)

۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء دارالعلوم دیوبند میں پہلا جلسہ دستار بندی منعقد ہوا جس میں اکابر علماء کے ہاتھوں سب سے پہلے فضلائے دارالعلوم مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، مولانا عبدالحقؒ ’’پرُقاضی‘‘ اور شیخ الہندؒ وغیرہ کے سروں پر دستار فضیلت باندھی گئی۔ (مستفاد: از حیات وکارنامے: ۴۹) اور تاریخ دارالعلوم میں صراحت ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے

دستِ مبارک سے آپ کی دستار فضیلت عمل میں آئی۔ (تاریخ دار العلوم دیوبند ۲/ ۴۴)

آپ کے اساتذۂ کرام

(۱) ملا محمود صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

جب دار العلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی، تو سب سے پہلے حضرت نانوتویؒ نے ملا محمود دیوبندیؒ کو مدرس مقرر فرمایا اور سب سے پہلے طالب علم کی حیثیت سے حضرت شیخ الہندؒ نے ملا محمودؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے، ملا محمود دیوبندیؒ حضرت نانوتویؒ کے ہم عمر تھے، حدیث شریف حضرت شاہ عبد الغنی مجددیؒ سے پڑھی تھی۔

(۲) مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا یعقوب نانوتویؒ دار العلوم دیوبند کے پہلے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث تھے، حدیث حضرت شاہ عبد الغنی مجددیؒ سے پڑھی تھی، آپ کے تلامذہ میں حضرت شیخ الہند، مولانا خلیل احمد سہارن پوری، مولانا احمد حسن امروہی، مولانا فخر الحسن گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی عزیز الرحمن عثمانی اور مولانا حبیب الرحمن عثمانی۔ رحمہم اللہ ہیں۔

(۳) مولانا سید احمد صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید احمد دہلویؒ قیامِ دار العلوم دیوبند کے تیسرے سال مدرس دوم بنائے گئے تھے، حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کے بعد آپ صدر المدرسین بنائے گئے، حضرت شیخ الہندؒ نے دار العلوم دیوبند میں مذکورہ اساتذۂ کرام سے علم حاصل کیا۔

(۴) حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۲۸۶ھ میں صحاحِ ستہ کی تعلیم کے لیے آپ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمت میں ''میرٹھ'' حاضر ہوئے، حضرت نانوتویؒ ''میرٹھ'' میں جناب ممتاز علی صاحب کے مطبع میں کتابوں کی تصحیح فرمایا کرتے تھے۔

حضرت نانوتویؒ تصحیح کتب کی مشغولی سے وقت فارغ فرما کر طلبہ کی ایک مختصر، منتخب جماعت اور ذہین ترین طلبہ کو صحاحِ ستہ کا درس دیا کرتے تھے جو اپنی صلاحیت واستعداد

سے متعلقہ کتب کو ایک حد تک حل کر سکتے ہوں اور حضرت نانوتویؒ سے صرف اہم ترین مباحث، اسرار و حکم، علمی نکتوں اور فنی دشواریوں کا حل باقی رہ جائے، حضرت شیخ الہندؒ حضرت نانوتویؒ سے ''میرٹھ'' میں علم حاصل کر رہے تھے کہ حضرت نانوتویؒ دہلی منتقل ہو گئے، تو حضرت شیخ الہندؒ بھی دہلی منتقل ہو گئے۔

نیز حضرت نانوتویؒ کبھی ''نانوتہ''، ''دیوبند'' وغیرہ سفر فرماتے، تو حضرت شیخ الہندؒ بھی اپنے ساتھ کتبِ حدیث کو لیے ہوئے آپ کے ہم راہ ہو جاتے اور ہر جگہ درس کا سلسلہ جاری رہتا، حضرت شیخ الہندؒ تمام مشکلات و دشواریوں میں ثابت قدمی کا ثبوت پیش فرماتے ہوئے تقریباً دو سال کے عرصے میں ۱۲۸۹ھ میں صحاحِ ستہ کی تعلیم مکمل فرمائی۔

(مستفاد از: حضرت شیخ الہند حیات و کارنامے: ۴۸)

شاگردِ رشید کی تعلیم، تربیت اور ترقی کی فکر

ربیع الاول ۱۲۹۴ھ مطابق مارچ ۱۸۷۷ء میں ''شاہجہاں پور'' میں ایک میلہ بنام ''خدا شناسی میلہ'' منعقد ہوا جس میں ہر مذہب کے نمائندوں کو شرکت اور اپنے مذہب کی روشنی میں خدا کا تعارف کرانے کی دعوت دی گئی، اصل مقصد یہ تھا کہ قابل ترین عیسائی پادریوں کو بلا کر مشہور علمائے کرام کو اس ''میلہ خدا شناسی'' میں اگر شکست دے دی جائے، تو ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کی راہیں کھل جائیں گی اور عیسائیت کی اشاعت آسان ہو جائے گی، حضرت نانوتویؒ نے اپنے دو ہونہار شاگرد حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کو ساتھ لے کر شرکت فرمائی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی اور عیسائی پادریوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ (حیات و کارنامے: ۵۶)

آریہ سماج کے بانی دیانند سرسوتی جب اسلام کے خلاف اعتراضات کر رہا تھا اور شکست کھا کر ''رڑکی'' کی فوجی چھاؤنی میں پناہ لے رکھی تھی، حضرت نانوتویؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ تین طلبہ کو ''رڑکی'' روانہ فرمایا اور حکم فرمایا کہ شہر کے ہر ہر محلے میں جلسے کر کے دیانند سرسوتی کے ایک ایک اعتراض کا مدلل جواب دیں، چناں چہ حضرت شیخ الہندؒ اپنے رفقاء کے ساتھ ''رڑکی'' پہنچ کر ایک ہفتے تک محلوں اور بازوں میں بڑے بڑے

جلسے منعقد کر کر کے اسلام کے خلاف دیانند سرسوتی کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا۔

(حیات وخدمات:۵۶)

حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے بلا واسطہ حدیث کی سند واجازت

حضرت نانوتویؒ نے شاہجہاں پور کے ''میلہ خداشناسی'' سے واپسی کے بعد حج کا ارادہ فرمایا، حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے استاذ محترم کی رفاقت کو اپنے لیے سعادت اور خوش نصیبی سمجھتے ہوئے سفر کا ارادہ فرمالیا، مدینہ منورہ میں حضرت نانوتویؒ کے استاذِ حدیث حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنیؒ بنیتِ ہجرت مقیم تھے، جب شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی زیارت نصیب ہوئی، تو شیخ الہندؒ کے دل میں اپنی سند کو عالی بنانے کی خواہش پیدا ہوئی؛ لیکن استاذِ محترم کی حاضری میں خلافِ ادب سمجھ رہے تھے۔

ایک مجلس میں خود حضرت نانوتویؒ نے حضرت شیخ الہندؒ سے فرمایا: محمود حسن! حضرت شاہ صاحبؒ کو صحاحِ ستہ کے اوائل سنا کر سند واجازتِ حدیث حاصل کرلو، یہ تمہارے لیے بڑی خوش قسمتی کی بات ہوگی اور بذات خود حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے شفارش بھی فرمادی، اس طرح حضرت شیخ الہندؒ کو حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے بلا واسطہ حدیث کی سند واجازت حاصل ہوئی اور آپ کی سند عالی بھی ہوگئی۔ (حیات وکارنامے:۵۹)

بے لوث خدمت اور پُر اثر دعا

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت نانوتویؒ کے والد ماجد شیخ اسد علیؒ صاحب مرض الوفات میں مبتلا ہوئے، تو علاج کے لیے دیوبند لائے گئے، حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر قیام تھا، دستوں کا مرض تھا، بعض دفعہ دستوں کی کثرت سے کپڑے بھی آلودہ ہوجاتے اور انھیں دھونا پڑتا تھا، حضرت نانوتویؒ کے خدام نے کپڑوں کا دھونا اپنے ذمہ لینا چاہا؛ مگر حضرت (شیخ الہندؒ) اجازت نہیں دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ میرا حق ہے، اسے تلف مت کرو، چناں چہ خود کپڑے دھوتے تھے۔

اسی زمانے میں ایک دفعہ دست چارپائی پر خطا ہو گیا، اس وقت نانوتویؒ بھی موجود نہ تھے، حضرت شیخ الہندؒ موجود تھے اور صورت ایسی ہوگئی کہ نجاست اٹھانے کے لیے ظرف بھی نہ تھا اور حضرت شیخ الہندؒ نے بے تکلف ساری نجاست اپنے ہاتھوں اور ہتھیلیوں میں لے لی اور سمیٹنی شروع کردی، تمام ہاتھ گندگی میں آلود ہی نہ تھے؛ بلکہ ہاتھوں میں نجاست لبریزی کے ساتھ بھری ہوئی تھی، حضرت نانوتویؒ پہنچ گئے اور دیکھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے دونوں ہاتھ نجاست اور مواد سے بھرپور ہیں اور وہ اسے سمیٹ سمیٹ کر بار بار باہر جاتے ہیں اور پھینک پھینک کر آتے ہیں، اس پر حضرت نانوتویؒ بہت متاثر ہوئے اور وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور عرض کیا کہ: خداوندا! ''محمود کے ہاتھوں کی لاج رکھ لے'' اور اس خاص وقت میں جو جو بھی اپنے اس محبوب تلمیذ کے لیے مانگ سکتے تھے، ہاتھ اٹھائے مانگتے رہے، اس قبولیت اور دل سے نکلی ہوئی دعاؤں نے کیا کچھ اثر نہ دکھایا ہوگا''۔ (پچاس مثالی شخصیات: ۷۳)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ اپنے تلمیذ رشید مولانا محمود حسنؒ کو ہر اعتبار سے بنا سنوار کر شیخ الہندؒ بنانا چاہتے تھے اور اس کے لیے ہر ممکن کوشش اور دعائیں فرماتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات اور مسندِ صدارت

۱۲۹۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس تقرر ہوا، ابتداءً عربی چہارم تک کی کتب متعلق کی گئیں، تین سال بعد ہدایہ، مشکوۃ المصابیح اور جامع ترمذی وغیرہ متعلق کی گئیں، ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء حضرت شیخ الہندؒ صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز ہوئے، حضرت شیخ الہندؒ دارالعلوم دیوبند سے چوالیس سال وابستہ رہے اور پچیس سال عہدۂ صدارت پر فائز رہے، آپ کی زبردست علمی شخصیت کے باعث دارالعلوم میں طلباء کی تعداد دو سو سے بڑھ کر چھ سو تک پہنچ گئی، آپ کے زمانے میں آٹھ سو ساٹھ طلبہ نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ (تاریخ دارالعلوم ۲/ ۱۸۰)

درسِ حدیث کا انداز

مولانا اصغر حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کے حلقہء درس کو دیکھ کر سلفِ صالحین و اکابر محدثین کے حلقہء حدیث کا نقشہ نگاہوں میں پھر جاتا تھا، قرآن و حدیث حضرت کی زبان پر تھا، ائمہ اربعہ کے مذاہب ازبر، صحابہ و تابعین، فقہاء اور مجتہدین کے اقوال محفوظ، تقریر میں نہ گردن کی رگیں پھولتی تھیں، نہ منہ میں کف آتا تھا، نہ معلق الفاظ سے تقریر کو جامع الغموض اور بھدی بناتے تھے، نہایت سبک اور سہل الفاظ با محاورہ اردو میں اس روانی و جوش سے تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا کہ دریا اُمڈ رہا ہے۔

کچھ مبالغہ نہیں ہے، ہزاروں دیکھنے والے موجود ہیں کہ وہی منحنی اور منکسر المزاج ایک مشت استخواں، ضعیف الجثہ مردِ خدا جو نماز کی صفوں میں ایک معمولی مسکین طالب علم معلوم ہوتا تھا، مسندِ درس پر تقریر کے وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیرِ خدا ہے جو قوت وشوکت کے ساتھ حق کا اعلان کر رہا ہے، آواز میں کرختگی آمیز بلندی نہ تھی؛ لیکن مدرسے کے دروازے تک بے تکلف قابلِ فہم آواز آتی تھی، لہجے میں تصنع اور بناوٹ کا نام نہ تھا؛ لیکن خدا تعالیٰ نے تقریر میں اثر دیا تھا، بات دل نشین ہو جاتی تھی او سننے والا بھی یہ سمجھ کر اٹھتا تھا کہ وہ جو فرما رہے ہیں حق ہے۔۔۔

مسائل مختلف فیہا ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ؛ بلکہ دیگر مجتہدین کے مذاہب بھی بیان فرماتے اور مختصر طور سے دلائل نقل کرتے؛ لیکن جب امام ابوحنیفہؒ کا نمبر آتا، تو مولانا کے قلب میں انشراح، چہرے پر بشاشت، تقریر میں روانی، لہجے میں جوش پیدا ہو جاتا تھا، دلیل پر دلیل شاہد پر شاہد، قرینے پر قرینہ بیان کرتے چلے جاتے، تقریر رکتی ہی نہیں تھی اور اس خوبی سے مذہبِ امام اعظم کو ترجیح دیتے تھے کہ سلیم الطبع اور منصف مزاج لوٹ جاتے تھے۔۔۔

بہ ایں ہمہ ائمہ اسلام کا ادب واحترام اور ان کے کمالات کا اعتراف، حضرت کی تعلیم کا ایک جزء لاینفک تھا، خود بھی ایسی ہی تقریر فرماتے اور صراحت سے ذہن نشین کراتے کہ مذاہبِ مجتہدین حق ہیں، وہ سب مستدل بالکتاب والسنۃ، ان کی تنقیص موجب بدبختی

اور سوئے ادب باعثِ خسران ہے''۔(تاریخ دارالعلوم ۲/۱۸۰)

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''شیخ الہند شیخ الکل کی حیثیت رکھتے تھے، درس گاہ میں مختصر تقریر فرماتے؛ مگر عظمت کا حال یہ تھا کہ جس دن بخاری کا پہلا سبق اس سال (جس سال مولانا گیلانی دورۂ حدیث میں تھے) پڑھایا، تو دارالعلوم کے تمام اساتذہ بھی طلبہ کے ساتھ شریک ہوئے تھے، مولانا کشمیریؒ بھی شریک درس ہوئے، ان اساتذہ نے درس میں سوالات بھی کئے اور شیخ الہندؒ نے ان کے جوابات بھی دئے''۔

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''نسائی شریف اس سال حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے پڑھائی، آپ کا قیام اس زمانے میں مدینہ منورہ میں تھا، اتفاق سے تشریف لے آئے، ''نسائی'' ان کے یہاں کردی گئی، ایک طرف طلبہ کو ''نسائی'' پڑھاتے تھے اور دوسری طرف بخاری شریف کے درس میں باضابطہ شیخ الہندؒ کے یہاں شریک ہوتے تھے اور عبارت خوانی کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی تھی، استاذ وشاگرد میں سوال وجواب بھی ہوتا تھا''۔

(حضرت شیخ الہند حیات وکارنامے: ۳۲۰)

نوٹ: یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ علامہ کشمیریؒ دارالعلوم کے عظیم محدث اور حضرت مدنی مسجد نبوی کے محدث کبیر تھے۔

رجال سازی

حضرت شیخ الہندؒ کی ذات گرامی فضائل وکمالات کی جامع تھی، بالخصوص علمی تحقیق وتنقید آپ کا جوہر خاص تھا، مطالعہ وسیع اور ذہانت بے مثال تھی، طلبہ کے دل ودماغ پر آپ کی شخصیت کے فضل وکمال کی اتنی گہری چھاپ پڑتی تھی کہ جوں جوں طالب علم کا مطالعہ بڑھتا تھا، شیخ الہندؒ کی عقیدت اس کی دل میں چھاجاتی تھی اور اس سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا تھا، جیسے شیخ الہندؒ ڈھالنا چاہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ تمام اکابر جن کو شیخ الہندؒ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا، وہ سب اپنے استاذ کے علمی احسانات کا اعتراف کرتے

تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ انہیں جو کچھ ملا ہے، وہ استاذ کا فیض ہے۔ (حیات وکارنامے:۹۰)

استاذ کے فضل وکمال، عظمت وہمہ گیری، علم وفن کی گہرائی وگیرائی اور وسعتوں کا اندازہ اس کے تلامذہ سے ہوتا ہے، حضرت شیخ الہندؒ دارالعلوم دیوبند سے ایک طویل عرصہ وابستہ رہے اور پچیس سال عہدۂ صدارت پر فائز رہے، اس طویل مدت میں حضرت نے کتنے ذروں کو آفتاب وماہتاب بنا کر آسمانِ شہرت وعظمت پر چمکایا۔۔۔انہوں نے پورے عالم اسلام کو متاثر کیا، تن تنہا شیخ الہندؒ کے شاگردوں نے اپنے علم وفن کے جو شان دار نقوش قائم کئے ہیں، وہ علمی تاریخ کے ان منٹ نقوش ہیں۔ (حیات وخدمات:۱۲۲)

آپ نے اپنے حلقۂ درس اور فیضانِ علم سے ایسی عظیم شخصیتیں پیدا کیں کہ ان کے دور میں ان کا کوئی نظیر نظر نہیں آتا، انہوں نے قرآن وحدیث کی اتنی عظیم خدمات انجام دیں کہ پچھلی صدیوں میں اس کی مثال کم یاب ہے۔

انہوں نے آپ کے علوم ومعارف کی تبلیغ واشاعت میں تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا، دارالعلوم دیوبند کی مسندِ حدیث پر آپ کے بلاواسطہ تلامذہ نے تقریباً پچپن سال حدیث کا درس دیا ہے، علامہ انورشاہ کشمیریؒ (بحیثیت صدرالمدرسین) سات سال، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ بتیس سال اور خاتم المحدثین حضرت مولانا فخرالدین احمدؒ نے پندرہ سال حدیث کا درس دیا اور تحقیق وتدقیق کا معیار قائم فرمایا، ان اکابر علماء ومحدثین عظام سے ہزاروں محدثین پیدا ہوئے جو ہندوپاک اور عرب وعجم میں پھیل کر حدیث شریف کی تدریسی، تصنیفی اور تحقیقی خدمات انجام دیں اور علمی دنیا میں علمائے دیوبند کا سر بلند کیا، ان تمام خدمات کا سہرہ واسطہ بلاواسطہ حضرت شیخ الہندؒ ہی کے سر جاتا ہے۔

تصنیف وتالیف

ابوداؤد اور مختصر المعانی پر قیمتی حواشی تحریر فرمائے ہیں، نیز ایضاح الادلہ، الابواب والتراجم، تقریر ترمذی آپ کی اعلیٰ ذکاوتِ علمی کا نمونہ ہیں، اس سلسلے کی آخری کڑی قرآن پاک کا وہ الہامی ترجمہ ہے جس کو باتفاق علمائے دیوبند بے نظیر اور سب سے مستند تسلیم کیا جاتا ہے۔ (علماء حق ۱/۷۸)

تلامذہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ سید انور شاہ کشمیری، شیخ الا سلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مہتمم دار العلوم دیو بند مولانا حبیب الرحمن عثمانی، شارح مسلم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی، مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمن عثمانی دیو بندی، امام المعقول والمنقول علامہ ابراہیم بلیاوی، فخر المحدثین علامہ فخر الدین احمد مرادآبادی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہی اور مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہم اللہ ہیں، یہ وہ اکابر ہیں جن کا خاص تعلق علمی دنیا سے ہے، ان کی پہچان اسی مناسبت سے ہے، ان علماء واساطینِ امت نے علم وفضل، تفسیر، حدیث، فقہِ اسلامی، حکمت وفلسفہ، قومی وملی خدمات اور سیاسی تدابیر میں اپنے استاذ کی جانشینی کی ہے۔

وفات

۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء دہلی میں آپ کی وفات ہوئی، آپ کے جسد خاکی کو دیو بند لایا گیا اور قبرستانِ قاسمی میں تدفین عمل میں آئی۔

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کردے

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام محمد انور شاہ بن شیخ معظم شاہ بن شاہ عبدالکبیر بن شاہ عبدالخالق ہے، آبائی وطن بغداد ہے، آپ کی ولادت سے دوصدی پہلے آپ کا خاندان بغداد سے منتقل ہوکر اولاً ملتان، پھر لاہور بعدازاں کشمیر میں فروکش ہوا۔

آپ کی ولادت وادیٔ کشمیر میں بروز ہفتہ ۲۷ رشوال ۱۲۹۲؁ھ میں ہوئی، نیک سیرت، زاہدہ عابدہ ماں نے آپ کی بہترین تربیت کی، آپ کے والد محترم عابدوزاہد نہایت متدین اوراپنے علاقے کے مرجع تھے۔

تعلیم وتربیت اوراساتذۂ کرام

پانچ سال کی عمر میں اپنے والد محترم سے ناظرۂ قرآن مجید مکمل فرمایا، ناظرۂ قرآن مجید سے فارغ ہونے کے بعد اپنے والد محترم ہی سے شیخ سعدی شیرازی کی ''گلستان'' ''بوستان''، جلال الدین دوانی، نظامی اور امیر خسرو کی جو کتابیں اردو فارسی کی اس وقت رائج تھیں، انہیں پڑھیں اور کشمیر ہی میں دوسال علمِ صرف، نحو، منطق واصولِ فقہ وغیرہ علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں، دس سال کی عمر میں اردو فارسی نظم ونثر پر قدرت حاصل فرمالی۔

اس کے بعد مغربی پنجاب کے علاقہ ''ہزارہ'' تشریف لے گئے جہاں تین سال تعلیم حاصل کی، ''ہزارہ'' میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی شہرت اور علمی عظمت وجلال کی شہرت سنی، آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کرنے کے شوق میں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے۔

اس وقت شیخِ زمن حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی قدس اللہ سرہ دارالعلوم دیوبند کے صدرالمدرسین تھے، اس درس گاہ میں چارسال علم حاصل کیا، حضرت شیخ الہندؒ سے صحیح بخاری، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور ہدایہ آخرین پڑھیں، صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن

ابن ماجہ مولانا اسحاق صاحب کشمیریؒ سے پڑھیں، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حدیث کی اجازت ملی، آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، حضرت گنگوہیؒ کی طرف سے خلافت بھی ملی۔ (تاریخ دارالعلوم ۲/۷۳)

حرمین شریفین کی زیارت وحاضری کے موقع پر شیخ حسین طرابلسیؒ صاحب ''رسالہ حمیدیہ''، و''الحصون الحمیدیۃ'' سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے شاہ صاحبؒ کو اپنی سند سے روایتِ حدیث کی اجازت دی اور اجازت نامے میں بلند کلمات تحریر فرمائے۔

(نفحۃ العنبر فی حیاۃ الشیخ الانور للشیخ محمد یوسف البنوریؒ:۱۰)

رسمی فراغت کے بعد چند ماہ مدرسہ ''عبدالرب'' دہلی میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر جناب محمد امین صاحبؒ کی تحریک پر ''مدرسہ امینیہ'' دہلی کی بنیا درکھی اور چند سال خدمت کرنے کے بعد وادیٔ کشمیر میں ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۳ء کو ''بارہ مولہ'' میں مدرسہ ''فیض عام'' شروع فرمایا اور تین سال خدمت کرنے کے بعد ۱۳۲۳ھ م ۱۹۰۵ء کو حرمین شریفین تشریف لے گئے، واپسی کے بعد تھوڑا عرصہ کشمیر میں گذارنے کے بعد ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء اساتذہ سے ملاقات کے لیے دیوبند حاضر ہوئے، حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو دارالعلوم تدریسی خدمت کے لیے روک لیا، تیرہ سال بعد اپنی مادرعلمی میں بحیثیت مدرس تشریف لے آئے اور تقریباً انیس سال بزمِ درس میں بے پناہ فیاضیوں کے مظاہرے پیش کئے، ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوکر ''جامعہ اسلامیہ'' ڈابھیل تشریف لے گئے۔

علمی مقام ومرتبہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی اعلیٰ تعلیم کے آخری مراحل دارالعلوم دیوبند میں طے کئے تھے، جہاں آپ کے ذہن وفکر پر آخری نقوش شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے فیضان علمی کے ثبت ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو سراپا علم وفضل بنایا تھا، علومِ شرعیہ وعقلیہ میں کوئی علم ایسا نہیں تھا جس میں آپ کو کمال اور مہارت تامہ حاصل نہ ہو، ضبط واتقان، وسعتِ مطالعہ، دقتِ نظر، جدتِ فکر، کثرتِ معلومات، ذکاوت

وذہانت، فہم وفراست، تبحر علمی اور استحضار میں بلا مبالغہ اپنی نظیر آپ تھے، علمائے متقدمین ومتاخرین میں ایسی جامع شخصیتیں شاذ ونادر ہی پائی جاتی ہیں۔ (تصویر انور: ۲۱۷)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے شاہ صاحبؒ کا تعارف کچھ اس طرح پیش فرمایا ہے:

''دیوبند کی ان آفتاب ومہتاب ہستیوں میں نہایت تیز اور شفاف روشنی کا ایک جلیل المرتبت ستارہ حضرت الاستاذ علامہء دہر، فریدِ عصر، حافظ الدنیا، محدثِ وقت مولانا السید محمد انور شاہ الکشمیریؒ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کی مبارک ہستی بھی ہے، جو مجموعی حیثیت سے آیۃ من آیات اللہ اور اپنے غیر معمولی علم وفضل کے لحاظ سے دین کا ایک روشن منارہ تھے، آپ کی ذات بلا مبالغہ عالم جلیل، فاضل نبیل، تقی ونقی، محدث، مفسر ومتکلم، ادیب وشاعر، صوفی اور رفانی فی السنہ ذات تھی''۔ (تصویر انور: ۳۶۷)

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے:

''حضرت انور شاہ حقانیتِ اسلام کی زندہ حجت ہیں، ان کا اسلام میں وجود دینِ اسلام کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ (تصویر انور: ۴۴۶)

جب شیخ الہندؒ حجاز کے سفر پر روانہ ہوئے، جس سفر میں مالٹا کی اسیری بھی مقدر تھی، آپ نے حضرت شاہؒ کو اپنا قائم مقام بنایا اور ''جامع ترمذی'' اور ''صحیح بخاری'' کا درس آپ سے متعلق کیا۔

آپ کی درسی خصوصیات

حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت ممدوح علم کے بحر ذخار ہونے کی وجہ سے درسِ حدیث علومِ حدیث ہی تک محدود نہ رہتا تھا؛ بلکہ اس میں استطراداً لطیف نسبتوں کے ساتھ ہر علم وفن کی بحث آتی تھی، ہر فن کے متعلقہ مقصد پر ایسی سیر حاصل اور محققانہ بحث ہوتی کہ حدیث کی بحث کے علاوہ فنی مسئلہ ہی فی نفسہ اپنی پوری تحقیق کے ساتھ منقح ہوکر سامنے آجاتا تھا، سال بھر یکسانی کے ساتھ مسائل پر محققانہ بحثیں جاری رہتیں؛ البتہ امتحانِ ششماہی کے بعد

امتحانِ سالانہ تک بعد نماز عصر پڑھاتے تھے جس کی وجہ سے آخرِ رجب تک ''ترمذی'' و ''بخاری'' یکساں شانِ تحقیق کے ساتھ ختم ہوجاتیں۔

میں نے ان مختلف الانواع تحقیقات کو دیکھ کر ایک املائی کاپی چوڑے اوراق والی تیار کی جس میں چھ سات کالم بنائے اور کالم کی ابتدا میں سرخیاں قائم کیں، مباحثِ حدیث، مباحثِ تفسیر، مباحثِ عربیت (نحو وصرف) مباحثِ فلسفہ و منطق، مباحثِ ادبیات، مباحثِ تاریخ وغیرہ، فنون عصریہ کے لیے ایک کالم اور کاپی کے کنارے ایک کالم جو قال الاستاذ کے نام سے تھا، جس میں حضرت الاستاذ مسائل کی تدقیق و تنقیح کے بعد آخری نتیجہ ''میں کہتا ہوں'' کہہ کر ارشاد فرماتے تھے۔ (اختصار از تصویر انور: ۵۷۳)

حضرت مولانا محمد میاں صاحب دیوبندیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت شاہ صاحبؒ کا درس عبارت فہمی پر منحصر نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ تحقیق وتدقیق کا سیر حاصل خلاصے پر مبنی ہوتا تھا، آپ باحوالہ کلام پیش فرماتے، آپ کے قریب کتابوں کا ایک انبار ہوتا تھا، بوقتِ ضرورت کتاب کھول کر، یا دوسری مجلس میں کتاب لاکر عبارت دکھایا کرتے تھے، حضرت شاہ صاحبؒ کے اس طریق نے تلامذہ میں تحقیق وتفتیش کا ذوق پیدا کیا''۔ (تصویر انور: ۶۳۴)

طلبہءعزیز کی تربیت کا انداز

مولانا عبداللہ جاوید صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''استاذ یا مربی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ حقیقی اولاد کا سلوک کرے اور وہ ان کی تربیت یہ سمجھ کر کرے کہ وہ اپنے جگر پاروں کی تربیت کر رہا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا:

انما انا لکم بمنزلة الوالد اعلمکم.

(رواہ ابوداؤد، کتاب الطھارۃ، باب کراھیۃ استقبال القبلۃ: ۸)

میں تمہارے لیے والد کی طرح ہوں، تمہیں دین سکھاتا ہوں۔

علامہ کشمیریؒ اس قولِ نبوی کی صحیح تصویر تھے، اپنے تلامذہ کے ساتھ ان کا تعلق باپ

اور بیٹے کے تعلق سے کہیں زیادہ مضبوط و مستحکم تھا، انہیں اپنے تلامذہ اور متعلقین کی علمی تربیت اور ان کے اعمال و اخلاق کو شریعت و سنت کے سانچے میں ڈھالنے پر خاص توجہ تھی، سینکڑوں شاگرد آپ کی تربیت اور علمی رہنمائی سے مستفید ہوئے، ذہین اور ہونہار طلبہ پر نہ صرف درس کے دوران خاص طور سے متوجہ رہتے؛ بلکہ درس کے علاوہ اوقات میں بھی ان کی خبر گیری اور ہمت افزائی فرماتے رہتے''۔ (تصویر انور: ۱۶۵)

حضرت شاہ صاحبؒ کی تربیت کا خاص انداز یہ تھا کہ اپنے شاگردوں کو ان کے ذوق کے مطابق کام تفویض فرماتے، کسی کو تصنیف و تالیف سے دل ہوتی، تو اسے اس میدان میں لگاتے، کسی کو تدریس کا ذوق ہوتا، تو اس کے لیے تدریس کے مواقع مہیا فرماتے، کسی شاگرد میں خطابت سے مناسبت دیکھتے، تو اس کی جولانیٔ طبع کے لیے مہمیز ثابت ہوتے۔

چناں چہ حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب کو بیس بائیس سال کی عمر میں اپنے ساتھ جلسوں میں لے جاتے اور ''قادیان'' کا سفر بھی کرایا، نیز جلسوں میں تقریریں کرائیں، حضرت مولانا محمد میاںؒ میں تدریس کا ذوق دیکھا، تو ان کو ''صوبہء بہار'' کے ایک مدرسے میں ایک معیاری استاذ کی حیثیت سے روانہ فرمایا، مولانا اعزاز علی صاحبؒ (شیخ الہندؒ کے شاگرد) سے حماسہ، نفحۃ الیمن، متنبی، کنز الدقائق وغیرہ درسی کتابوں پر عربی میں حواشی لکھوا کر حرف بحرف پڑھ کر ان کی اشاعت کا نظم فرمایا،،۔ (تصویر انور: ۱۶۷)

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں:

وہ اپنے عہد کے طلباء کی علمی بے بضاعتوں کا اندازہ کر کے تکلیف اٹھا کر علاوہ موضوعِ درس کے چند خاص امور کا تذکرہ التزاماً اپنے درس میں ضرور فرمایا کرتے تھے، مثلاً جن مصنفین کی کتابوں کا حوالہ دیتے، ان کی ولادت اور وفاتِ سنین کے ساتھ مختصر حالات اور ان کی علمی خصوصیت، علم میں ان کا خاص مقام کیا ہے؟ ان امور پر ضرور تنبیہ کرتے چلے جاتے، یہ ان کا ایسا اچھا طریقہ تھا جس کی بدولت شوقین اور محنتی طلباء ان کے حلقہء درس میں شریک ہو کر علم کے ذیلی ساز و سامان سے مسلح ہو جاتے ہیں، یا کم از کم مسلح

بننے کا ڈھنگ ان کو آجاتا تھا۔ (تصویر انور:۱۱۱)

نیز مولانا گیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

عموماً وہ اس کا بھی موقع تلاش کرتے کہ علاوہ حدیث کے، اسلامی علوم کے طلباء وعلماء کے لیے دوسرے متعلقہ علوم وفنون کے جن اصول وکلیات کا جاننا ضروری ہے، ان کا بادنی مناسبت ذکر فرماتے اور مسئلے کی ایسی تاریخ بیان کرتے جس کے سننے کے بعد معلوم ہوجاتا تھا کہ اس مسئلے کی ابتدا کس شکل میں ہوئی اور کن کن نقاط سے گزرتے ہوئے موجودحال تک پہنچا۔ (تصویر انور:۱۱۲)

اس ساری کدوکاوش سے مقصود طلباء کے ساتھ ان کی وہ غیر معمولی شفقت تھی جس سے ان کا قلب معمور تھا، وہ چاہتے تھے کہ طلباء کو اس طرح تیار کریں کہ آئندہ علمی مرحلوں میں ان کے لیے کوئی دشواری باقی نہ رہے، اس لیے نہ وہ صرف مطالعے کا طلبہ میں ذوق پیدا کرنا چاہتے تھے؛ بلکہ ان کے پیشِ نظر مطالعے کے طریقے سے بھی طلباء کو آگاہ کرنا تھا۔

(تصویر انور:۱۱۲)

علمی اعانت میں کبھی بخل نہ تھا، اکثر وبیشتر مدرسین آپ کے پاس حاضر ہوتے اور مشکل مقامات آپ سے پوچھ پوچھ کر حل کرتے، نئے مدرسین خاص طور سے آپ کی مدد کے محتاج رہتے، حضرت مولانا اعزاز علیؒ صاحب اپنی معین مدرسی کے زمانے میں حاضر ہوتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رات کے آخری حصے میں مطالعے کے لیے بیٹھے اور الجھ گئے، اتنا صبر کہاں کہ صبح کا انتظار کریں، فوراً اٹھے اور شاہ صاحبؒ کے کمرے کے دروازے پر دستک دی، شاہ صاحبؒ نے دروازہ کھولا، مسکراتے ہوئے استقبال کیا، سوال کا جواب دیا اور دروازہ بند کرلیا۔ (تصویر انور:۱۶۹)

اپنے شاگردوں کو جدید علوم کے مطالعے کی تلقین فرماتے، ابتداءً اردو زبان کی وسعت وہمہ گیری کے قائل نہ تھے؛ مگر حضرت تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' کے بعد اندازہ ہوا کہ یہ زبان بھی بڑے بڑے علوم کی متحمل ہوسکتی ہے، اس تبدیلی کے بعد اپنے تلامذہ کو مستقل تلقین فرماتے کہ اردو میں لکھنے پڑھنے کی عادت ڈالو، اکثر تلامذہ کو اردو میں

لکھنے کے لیے عنوانات دئے اور ان مضامین میں ضروری اصلاح کے بعد اخبارات ورسائل میں اشاعت کے لیے بھجواتے''۔(تصویر انور:۱۷۱)

شاگردوں سے استاذ کے تعلق اور شیفتگی کا یہ عالم ہو اور تربیت ورہنمائی کا یہ انداز ہو، تو پھر کیسے ممکن ہے کہ ان میں لعل وجوہر پیدا نہ ہوں، حضرت شاہؒ صاحب کی محنت، تربیت اور آپ کی جدوجہد رائگاں نہیں گئی، آپ کے فیضِ تربیت کے اثر سے ایسے علماء تیار ہوئے جو آسمانِ علم کے آفتاب و ماہتاب بنے اور جنہوں نے علم دین کی بے پناہ خدمات انجام دیں''۔(تصویر انور:۱۷۱)

تلامذہ

حضرت شاہؒ صاحب کے دار العلوم میں قیام کی انیس سالہ مدت میں کم از کم دو ہزار طلبہ بلاواسطہ مستفیض ہوئے، ان میں سے بہت بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو گوشۂ گمنامی میں خاموش خدمات انجام دے کر چلے گئے، کچھ وہ تلامذہ ہیں جن کی خدمات نے شہرت حاصل کی اور حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم وفیوض کو عام کیا، اپنی علمی، فکری، اصلاحی اور تحقیقی خدمات کے ذریعے امتِ مسلمہ پر عظیم احسان کیا، ذیل میں چند ممتاز تلامذہ کا نام پیش خدمت ہے۔

(۱) مولانا فخر الدین احمد صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث شاہی مراد آباد، شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

کتبِ حدیث حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھیں، نیز حضرت شاہ صاحبؒ سے موطا امام مالک اور ہدایہ آخرین وغیرہ پڑھی ہیں، اس وجہ سے آپ کو شاہ صاحبؒ کے تلامذہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

(۲) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

مہتمم دار العلوم دیوبند، وترجمان مسلک دیوبند

(۳) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

صاحب ''التعلیق الصبیح'' شرح مشکوۃ المصابیح، سیرۃ المصطفی

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتیٔ دار العلوم دیو بند، مفتی اعظم پاکستان و بانی دار العلوم کراچی، خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ صاحب معارف القرآن، ومصنف کتبِ کثیرہ

(۵) حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

مدیر ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنو، رکنِ شوریٰ دار العلوم دیو بند، ورکنِ رابطہ عالم اسلامی جدہ، صاحب معارف الحدیث، ومصنف کتبِ کثیرہ

(۶) حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بانی جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

صاحب معارف السنن شرح جامع الترمذی

(۷) حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

صاحبِ ''فیض الباری شرح بخاری''، ''ترجمان السنۃ''

(۸) حضرت مولانا محمد اصغر میاں صاحب دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ

استاذِ حدیث شاہی مراد آباد، وشیخ الحدیث مدرسہ ''امینیہ'' دہلی، وسابق ناظم جمیعہ علماء ہند، مصنف مشکوۃ الآثار، علماء ہند کا شاندار ماضی، ودیگر مختلف کتب کے مصنف

(۹) حضرت مولانا چراغ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرتب العرف الشذی علی الترمذی (حضرت کے افادات)

(۱۰) مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

محقق العصر وسابق صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد

(۱۱) مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲) مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ

تصنیفات

حضرت شاہ صاحبؒ نے کثرتِ معلومات، وسعتِ مطالعہ، حیرت ناک استحضار اور قوتِ حافظہ کے باجود تصنیف و تالیف کا ارادہ نہیں فرمایا؛ البتہ حالات کے پیشِ نظر چند رسائل ضرور تصنیف فرمائے ہیں، نیز آپ کے تلامذہ کے ذریعے آپ کے علمی کمالات وتحقیقات کا ذخیرہ امت کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

(۱) عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام

اس کتاب میں عقیدۂ حدوثِ عالم، عقیدۂ ختمِ نبوت، ذوالقرنین، یاجوج ماجوج کی تحقیق، سد ذوالقرنین کی تعیین وغیرہ مضامین شامل ہیں۔

(۲) تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام

(۳) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح

اس کتاب میں حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول سے متعلق تقریباً سو احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔

(۴) اکفار الملحدین فی ضروریات الدین

کفر و ایمان کی اصل حقیقت، کن اعمال کی بنیاد پر کفر لازم آتا ہے، ان مضامین پر بالتفصیل روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۵) فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب

مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کے حکم سے متعلق ہے، حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے اس رسالے کو اپنی تسہیل کے ساتھ ''معارف السنن'' کا جزء بنا دیا ہے۔

(۶) نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین

رفع یدین کے سلسلے میں محققانہ ومنصفانہ طرز میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ اختلاف عہدِ صحابہ سے چلا آرہا ہے، اس اختلاف کی نوعیت اولیٰ اور غیر اولیٰ کی ہے۔

(۷) کشف الستر عن صلوۃ الوتر

نمازِ وتر میں پندرہ سے زاید مباحث ہیں، ان کی تفصیلات، نیز آمین بالجہر، نماز میں

ہاتھ کہاں باندھنا چاہئے وغیرہ مسائل پر تشفی بخش تحقیقات کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔

ان کتب ورسائل کے علاوہ مزید سات مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب آپ نے بذات خود تحریر فرمائے ہیں، افسوس کہ ہندوستانی ناشرین کتب نے اکثر کتب کو شائع نہیں کیا ہے۔

آپ کی تقریریں، درسی افادات اور آپ کے محفوظات و یادداشتوں کو تلامذہ نے نہایت تحقیق کے ساتھ جمع کیا ہے۔

(۱) مشکلات القرآن

قرآن مجید میں کلامی، تاریخی، سائنسی، علومِ عربیت و بلاغت وغیرہ کے اعتبار سے جو اشکالات ہوتے ہیں، یا ہوسکتے ہیں، اس کتاب میں ان مضامین پر بحث کی گئی ہے، یہ مضامین مختلف اوراق ومسودات میں بطور یادداشت محفوظ تھے، جن کو ''مجلسِ علمی'' ڈابھیل نے مولانا محمد سید یوسف بنوریؒ کے وقیع مقدمے کے ساتھ شائع کیا۔

(۲) خزینۃ الاسرار

اس رسالے میں کچھ اوراد، وظائف اور مجربات واذکار کو جمع کیا گیا ہے، اور حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف سے اضافے کئے گئے ہیں، شاہ صاحبؒ کے جو قدیم مسودات کشمیر میں تھے، ان میں دستیاب ہوا ہے۔

(۳) فیض الباری شرح بخاری

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی درسِ بخاری کی تقاریر اور افادات کو فصیح وبلیغ عربی زبان میں قلم بند فرمایا ہے، اس کتاب میں عموماً وہ مشکل مباحث ہیں جو دیگر شروحِ بخاری وکتبِ حدیث میں دستیاب نہیں، شروعِ کتاب میں مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ اور مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے وقیع مقدمات ہیں۔

(۴) العرف الشذی

حضرت مولانا چراغ محمدؒ صاحب ساکن گجرات نے حضرت شاہ صاحبؒ کے درسِ ترمذی کی تقریریں کو نوٹ کیا ہے، یہ شرح ہندستانی نسخوں میں ترمذی شریف ہی کے ساتھ شائع کی جاتی ہے۔ (تصویر انور: مقالہ مولانا محمد سید یوسف بنوریؒ: ۲۵۰)

(۵) معارف السنن شرح ترمذی

جناب محمد بن موسی میاں صاحب مرحوم افریقی حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے عاشقِ زاراور آپ کے علوم وفنون کو عام کرنے کے بے حد مشتاق تھے، انہوں نے مولانا بنوریؒ کے سامنے ''العرف الشذی'' کی تصحیح، مراجع ومصادر سے آراستہ کرنے، اس میں موجود نقص کو دور کر کے عمدہ اسلوب وتعبیر میں پیش کرنی کی خواہش کا اظہار کیا، مولانا بنوریؒ نے اس کی تصحیح وتہذیب شروع کی؛ لیکن وہ خود مستقل ضخیم شرح ہوگئی اور یہ کتاب الحج ہی تک مکمل ہوئی ہے۔

وفات

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ وفات سے چند ماہ قبل مختلف امراض کی بنا پر ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' سے دیوبند تشریف لے آئے، ۳/صفر المظفر ۱۳۵۲ھ کو تقریباً ۶۰ (ساٹھ) سال کی عمر میں وفات پائی، دیوبند میں عیدگاہ کے قریب اپنے خاندانی مقبرے میں مدفون ہیں۔

وہ چاند ہے، تو عکس بھی پانی میں آئے گا
کردار خود ابھر کے کہانی میں آئے گا

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

صدر المدرسین و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

اسم گرامی حسین احمد بن سید حبیب اللہ بن سید پیر علی صاحب، آپ حسب ونسب کے اعتبار سے حسینی الاصل ہیں، سلسلۂ نسب حضرت علی زین العابدینؒ کے واسطے سے حضرت حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے، تقریباً انیس پشت پہلے آپ کا خاندان ہندوستان ہجرت کر کے آیا تھا۔ (تاریخ دار العلوم دیوبند ۲/ ۸۳)

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹/شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء بمقام بانگر مئو ضلع اناؤ میں ہوئی، جہاں آپ کے والد محترم اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے، آپ کا تاریخی نام چراغ محمد ہے۔ (نقش حیات ۱/ ۱۵)

جب آپ کی عمر تین سال تھی، تو والد ماجد وہاں سے منتقل ہو کر آبائی وطن قصبہ ''ٹانڈہ'' چلے آئے، آپ کی ابتدائی تعلیم تا مڈل یہیں ہوئی، والدہ سے قاعدہ بغدادی اور پانچ پارے ناظرۂ قرآن پڑھا اور والد صاحب سے ناظرۂ قرآن مجید کی تکمیل کی، نیز والد صاحب سے چند فارسی کی کتابیں بھی پڑھیں، والد محترم حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادیؒ کے دست گرفتہ اور صحبت یافتہ تھے۔ (نقش حیات ۱/ ۵۳)

تیرہ سال کی عمر میں اوائل صفر ۱۳۰۹ھ میں دار العلوم دیوبند حاضر ہوئے، جہاں آپ کے دو بڑے بھائی سید محمد صدیق صاحب اور سید احمد صاحب زیر تعلیم تھے، ان حضرات کا کمرہ حضرت شیخ الہندؒ کے مکان کے قریب تھا، بڑے بھائی نے حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ سے درخواست کی، آپ تبرکاً گلستان اور میزان شروع کرادیں، حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ سے فرمایا کہ تم حسین احمد کے اسباق شروع کراؤ، مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ نے علمائے کرام کے مجمع میں آپ کی میزان الصرف اور گلستان سعدی شروع کرائی، آپ کی مکمل تعلیم ابتدائی درجات تا دورۂ

حدیث دارالعلوم دیو بند ہی میں ہوئی ۱۳۱۶ھ میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔
(نقش حیات:۵۵)

اپنے استاذ محترم کے ساتھ مالٹا کے قید خانے میں دس ماہ کے عرصے میں جمادی الاولیٰ تاربیع الاول حفظِ قرآن مجید مکمل فرمالیا، اگلے رمضان میں حضرت شیخ الہندؒ کو تراویح میں قرآن سنایا۔

اساتذۂ کرام

دارالعلوم دیو بند میں تقریباً سات سال کے عرصے میں متعدد اساتذۂ کرام سے علم حاصل کیا، جن میں ممتاز و مشہور اساتذۂ کرام شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیو بندی، حضرت مولانا عبدالعلی صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوری، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی، حافظ محمد احمد صاحب (فرزند حضرت نانوتویؒ) مولانا غلام رسول صاحب ہزاری، حکیم محمد حسن (شیخ الہندؒ کے چھوٹے بھائی) اور دیگر مشاہیر اکابر رحمہم اللہ ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے والد محترم مولانا ذوالفقار صاحب سے ''فصول اکبری'' پڑھی، حضرت شیخ الہندؒ سے علم منطق کی ابتدائی کتابیں، شرح عقائد، ہدایہ آخرین، نخبۃ الفکر، تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری، سنن ابواؤد، جامع ترمذی، موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمدؒ تفسیر بیضاوی، شرح عقائد وغیرہ متعدد کتابیں اور حضرت مولانا عبدالعلی صاحب (حضرت نانوتویؒ کے شاگرد) سے مسلم شریف، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ پڑھیں۔ (نقش حیات:۵۶)

مدینہ منورہ کے قیام کے دوران علم ادب میں مہارت پیدا کرنے کے لیے بعد نماز مغرب مشہور ادیب شیخ آفندی عبدالجلیلؒ کے اسباق میں شرکت کی، نیز شیخ موصوف سے آپ کو اجازتِ حدیث بھی حاصل ہے، شیخ التفسیر حسب اللہ شافعی مکیؒ، شیخ عبدالسلام داغستانیؒ اور شیخ سید احمد برزنجیؒ مفتی الشافعیہ مدینہ منورہ سے بھی آپ کو روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے۔ (ہندوستان اور علم حدیث:۵۵۰)

استاذِ محترم کی شفقت اور تربیت

حضرت مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شیخ الہندؒ صدر المدرسین تھے، آپ کے پاس چھوٹی کتابیں نہیں ہوتی تھیں، آپ کے حقیقی بھتیجے منشی حبیب حسنؒ ہمارے درسی ساتھی، نیز میرے بڑے بھائی صاحب حضرت کی خدمت کرتے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ ہم تینوں بھائیوں پر بہت شفقت فرماتے تھے، ان وجوہ کی بنا پر آپ سے متعدد چھوٹی اور بڑی کتابوں کے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ (نقش حیات ۱ / ۵۷)

حضرت مدنی فرماتے ہیں: چوں کہ میں کم عمری میں دیوبند حاضر ہوا تھا اور ہمارا کمرہ بھی حضرت شیخ الہندؒ کے مکان کے قریب تھا، بڑے بھائی سید محمد صدیق صاحب بکثرت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گھریلو خدمت بھی کرتے تھے، اس وجہ سے میرا بھی حضرت کے گھر میں بکثرت آنا جانا ہوتا اور حضرت کی اہلیہ محترمہ بہت شفقت فرمایا کرتی تھیں۔ (نقش حیات: ۵۶)

جب حضرت مدنی اور آپ کے بھائی نے دار العلوم سے گھر جانے کا ارادہ فرمایا، اس وقت حضرت شیخ الہندؒ ان حضرات کو رخصت کرنے کے لیے اسٹیشن تک تشریف لے آئے اور بطورِ خاص نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: کسی بھی حال میں پڑھانا مت چھوڑنا۔

(نقش حیات: ۶۹)

حضرت مدنیؒ ۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہندؒ سے دوبارہ بخاری و ترمذی پڑھنے اور آپ کی پہلی اہلیہ کی وفات کی وجہ سے نکاح ثانی کے ارادے سے ہندوستان تشریف لے آئے۔

حضرت مدنی فرماتے ہیں: میں سیدھا دیوبند پہنچا اور بخاری شریف اور ترمذی شریف میں شریک ہوگیا اور بالالتزام ان دونوں کتابوں کو پھر پڑھا، مسائل پر پوری بحث کیا کرتا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مرتبہ غیر معمولی توجہ فرماتے تھے اور خلافِ عادت تحقیقی جوابات نہایت وضاحت سے دیتے تھے، جس سے بہت فائدہ ہوا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ پہلے بھی بہت شفقت فرمایا کرتے تھے؛ مگر اس مرتبہ بہت زیادہ عنایات فرمائیں،

علمی افادات کے علاوہ دنیاوی اور معاشی امور میں بھی مثل والد حقیقی؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ توجہ فرماتے تھے، میرا قیام بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رہا، دوسرے نکاح کے بعد بھی اہلیہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مکان ہی پر رکھا، سفر وحضر میں ساتھ رہا، دار العلوم میں بسلسلہ تدریس ملازم بھی ہو گیا۔ (نقش حیات ۱/۱۱۷)

شاگردِ رشید کی خدمت اور وفاداری

حضرت مدنیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے مطیع و فادار اور خدمت گذار شاگردِ رشید تھے، ہر اعتبار سے آپ کی خدمت کیا کرتے تھے، حضرت شیخ الہندؒ کو جب حجاز سے گرفتار کیا گیا، آپ بھی حضرت شیخ الہندؒ کے ہم راہ محض آپ کی خدمت کے لیے گرفتار ہوئے، مالٹا میں جب حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقاء کرام محصور تھے، دن رات جی بھر کر استاذِ محترم کی خدمت کی، مالٹا کی شدید سردی میں ہر وقت گرم پانی کا تیار کرنا، تین وقت کھانا اور چائے بنانا، ملاقاتیوں کے لیے چائے بنانا اور راحت پہنچانے کی دیگر خدمات کو اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے انجام دیتے تھے، کوئی ساتھی ان امور میں شریک ہونا چاہتا، تو صاف فرما دیا کرتے کہ یہ میرا فرض منصبی ہے۔ (سوانح حضرت شیخ الاسلام مدنی: ۴۵)

ایک مرتبہ حضرت مدنی استاذِ محترم کے پاؤں دبا رہے تھے کہ مولانا اصغر میاںؒ صاحب بھی حصولِ سعادت کی غرض سے شریک ہو گئے، مسرت و انبساط کے عالم میں کہنے لگے، آج ہم برابر ہو گئے، حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: بھائی تم کہاں کہاں ان کی پیروی اور برابری کرو گے۔ (سوانح حضرت شیخ الاسلام: ۵۹)

ایسے مخلص، سفر و حضر کے خدمت گذار شاگرد کے لیے استاذ محترم نے کیا کیا دعائیں کی ہوں گی، جن کی برکتیں آپ کو حاصل ہوئی ہوں گی۔

دستار بندی

۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں عظیم الشان جلسہء دستار بندی منعقد ہوا، اکابر کے مجمع (حضرت تھانویؒ، حافظ احمد صاحبؒ اور مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانیؒ اور دیگر متعدد اہل علم عوام و خواص) میں حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے دستِ مبارک سے اولاً علامہ انور شاہ

کشمیریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی دستار بندی فرمائی۔(نقش حیات ۱/ ۱۴۷)

بیعت وسلوک

۱۳۱۶ھ ہی میں عالم ربانی شیخ کامل شریعت وطریقت کے مجمع البحرین حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دستِ حق پر بیعت کی، دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل فرما کر گھر تشریف لے آئے، تو آپ کے والدِ محترم اپنے اہل خانہ کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی، آپ نے ۱۳۱۶ھ میں اپنے والدین کے ہم راہ مدینہ منورہ ہجرت کی، مکہ مکرمہ میں اپنے شیخ کے حکم سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خدمت میں جو آپ کے شیخ کے شیخ تھے حاضر ہو کر روحانی تربیت حاصل کی، ۱۳۱۹ھ میں حضرت گنگوہیؒ نے آپ کو اپنی خدمت میں طلب فرمایا، دو ماہ چار دن حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں رہے، اجازت اور خلافت سے سرفراز فرمایا اور آپ کے سر پر دستارِ خلافت باندھی، ۱۳۲۰ھ میں دوبارہ مدینہ منورہ حاضر ہو گئے اور مدینہ منورہ میں تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا۔(نقش حیات ۱/ ۱۰۷)

علمی شان ومقام

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں حضرت مدنی کے علم وفضل کی شہادت دی ہے:

میرے نزدیک ابوحنیفہ ء زمانہ، بخاریٔ اوانہ، جنید وشبلیٔ عصر، حضرت شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنیؒ کی مدح میں کچھ لکھنے والا ''مادحِ خورشید مداح خود است'' کا مصداق ہے، میرا خیال ہے: حضرت کے فضل وکرم، تبحر فی العلم والسلوک سے شاید ہی کسی اہلِ بصیرت کو اختلاف ہو۔(ہندوستان اور علم ہندوستان: ۵۵۲)

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مدنیؒ ایک بلند پایہ عالمِ دین تھے، وہ اپنے دور کے بے مثال محدث تھے، درس وتدریس اور تحقیقِ حدیث میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، تدریسِ حدیث میں ان کا ایک خاص اسلوب تھا، جس نے انہیں اقران وامثال میں امتیاز بخشتا تھا، وہ ایک بہت

بڑے فقیہ تھے، انہیں نہ صرف فقہ کے مسائل از بر تھے؛ بلکہ فقہ وحدیث میں ان کا درجہ ایک محقق اور مجتہد کا تھا، وہ مفسر بھی تھے، نہ صرف حروف وسواد کی رہنمائی میں؛ بلکہ معانی کی گہرائی میں اتر کر قرآن کے بصائر وحکم اور مسائل واحکام کی تشریح وتفسیر فرماتے تھے، وہ ایک زاہد شب زندہ دار بزرگ اور اپنے وقت کے ایک عظیم الشان شیخِ طریقت تھے۔

(ہندوستان اور علم حدیث: ۵۵۲)

درس وتدریس

آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے بعض ہندوستانی اور عرب طلبہ کی درخواست پر کچھ نحو وصرف کی ابتدائی کتابوں کے اسباق شروع کئے، ۱۳۱۹ھ میں حضرت گنگوہیؒ کے حکم پر ہندوستان آئے، ۱۳۲۰ھ میں مدینہ منورہ واپسی ہوئی، مدینہ منورہ میں ''شمس باغ'' کے مدرسے میں مدرس ہو گئے، طلبہ کی کثرت کی وجہ سے خارج اوقات حرمِ مدنی میں بعد نماز فجر، عصر، مغرب اور بسا اوقات بعد نماز عشاء طلبہ کو مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے تھے، مدرسے کے ناظر ڈاکٹر محمد خواجہ صاحب نے مدرسے ہی میں پڑھانے پر اصرار کیا، استفادہ کرنے والے طلبہ اہلِ مدینہ، ترکی، مصر، بخاری، کابل وغیرہ کے طلبہ تھے، وہ حرم میں ہی پڑھنا چاہتے تھے، اس لیے مجبور ہو کر ''شمس باغ'' کے مدرسے سے مستعفی ہو گئے، حرم مدنی میں بلا معاوضہ مختلف علوم وفنون کا درس شروع فرمایا۔ (نقش حیات ۱/۷۷)

مالٹا سے رہائی کے بعد آپ حضرت شیخ الہندؒ کے ہم راہ ہندوستان آئے، اولاً ''امروہہ'' پھر ''آزاد مدرسہ عالیہ کلکتہ'' اس کے بعد ۱۳۴۲ھ تا ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۸ء ''دار العلوم سلہٹ'' آسام میں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دئے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ دار العلوم دیوبند سے مستعفی ہو گئے، دار العلوم دیوبند کے اس عظیم منصب کے لیے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر ارکینِ شوری کی تجویز سے آپ کو ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء کو دار العلوم دیوبند کا صدر مدرس اور شیخ الحدیث مقرر کیا گیا ہے۔

درس کا اہتمام

حضرت مدنیؒ درسِ حدیث کا بہت اہتمام فرماتے تھے، آپ نہایت مشغول تھے؛ لیکن دیوبند کے قیام کے دوران کبھی درس کا ناغہ نہ ہوتا، روزانہ ظہر سے پہلے (چوتھے گھنٹے) میں سبق ہوتا اور بعد نمازِ عشاء دیر رات تک سبق جاری رہتا، سال کے اواخر میں بعد نماز عصر بھی سبق ہوا کرتا تھا، آپ درسِ حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ومعیت تصور کرتے تھے، درسِ حدیث کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ درسِ حدیث فیوض باطنیہ کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اس کا اثر طلبہ کے ذہن ومزاج پر بھی خود بخود پڑھتا تھا، حضرت جب بھی سفر سے واپس تشریف لے آتے، ایک آواز پر طلبہ پروانہ وار اپنے کمروں اور بستروں سے نکل کر دار الحدیث میں جمع ہو جاتے، جتنی دیر درس ہوتا کوئی اٹھنے کا نام نہیں لیتا تھا۔

(ہندوستان اور علم حدیث، مقالہ مولانا عبداللہ معروفی صاحب: ۵۵۹)

مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

رات کو دس بجے کہیں سفر سے واپس آئے، اسی وقت طلبہ کو اطلاع ہوئی کہ درس ہوگا، کیسی نیند؟ کہاں کا تکان؟ پورے نشاط کے ساتھ درس دیا، اسی میں طلبہ کے سوالات کے جوابات اور وہ بھی غیر متعلق سوالات کے جوابات۔۔۔آپ تعجب سے سنیں گے کہ حج کے سفر سے واپس آئے ہیں، جس سفر کے بعد مہینوں لوگ تھکن اتارتے ہیں اور کس طرح آئے ہیں کہ راستے میں ہر بڑے اسٹیشن پر متعلقین ومحبین سے مصافحہ کرتے، مزاج پوچھتے، ملاقات کرتے آئے ہیں، آتے ہی حکم ہوا کہ سبق ہوگا، بتایئے سیاسی لیڈروں میں یہ واقعہ مل سکتا ہے؟ کہ مشاہیرِ عصر میں بغیر انتہائی تعلق مع اللہ کے یہ ممکن نہیں، یہ ہیں وہ کرامتیں جو بڑی بڑی حسی کرامتوں سے بدرجہا بلند ہیں۔ (تذکرہ شیخ الاسلام: ۱۲۷)

حکیم ضیاء الدین صاحبؒ بیان فرماتے ہیں: حضرت مدنیؒ کی اہلیہ کی وفات ہوگئی، تدفین سے فراغت کے کچھ دیر بعد دار الحدیث حاضر ہو کر بخاری شریف کا درس شروع فرما دیا، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے درس موقوف کرنے کی درخواست کی اور سمجھانے

کی کوشش کی ،تو فرمایا: اللہ کے ذکر سے بڑھ کر اطمینانِ قلب کس چیز سے حاصل ہوسکتا ہے۔(شیخ الاسلام نمبر:۷۸)

درسی خصوصیات

آپ کے شاگرد رشید ہمارے استاذ محترم بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ العالی استاذِ حدیث دار العلوم دیوبند آپ کی درسی خصوصیات کو بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت شیخ الہندؒ کی اتباع میں حضرت (مدنی) کا طرز درس متوسط بحث کا تھا؛مگر جب آپ دار العلوم کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث ہوئے ،تو علامہ انور شاہ صاحبؒ نے جس کی طرح ڈالی تھی،آپ نے بھی اسی طرز کو اپنایا اور اس کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

☆ مشکل الفاظ کی لغوی تشریح ،مشکل جملوں کی ترکیب نحوی اور معانی و بیان سے متعلقہ امور کا ذکر۔

☆ ترمذی شریف میں اسناد پر سیر حاصل بحث۔

☆ اہم مباحث کی تنقیح وتجزیہ کرتے ہوئے ہر ہر جز پر مفصل و مدلل گفتگو فرماتے ؛ تاکہ طلبہ کے لیے سمجھنے میں سہولت ہو۔

☆ اختلافی مسائل سے متعلق احادیث کی شرح میں اختلاف ائمہ بیان کرنے کے بعد امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کو راجح فرماتے۔

☆ حضرت کی ایک جانب کتب صحاحِ ستہ اور موطئین رکھی رہتی تھیں ،مذکورہ بالا کتب میں سے کسی حدیث سے متعلق اختلافِ الفاظ وغیرہ بیان کرنے کی ضرورت پیش آتی ،تو حدیث نکال کر بقید صفحہ پڑھ کر سناتے اور اس کی بھی تشریح فرماتے،جس سے طلبہ میں مطالعہ کا ذوق پیدا ہوجاتا تھا اور تحقیق کی راہ بھی ہموار ہوتی تھی،اس طرح درس صرف ایک کتاب کا نہیں؛ بلکہ امہاتِ کتب کا درس ہوجاتا تھا۔

☆ تقریر کی رفتار آہستہ،انداز بیاں سادہ ،تمثیلی اور توضیحی ہوتا تھا،جس کی وجہ سے ذہین ومتوسط درجے کے طلبہ خوب محظوظ ہوتے تھے اور غبی وکند ذہن طلبہ بھی مستفید ہوجاتے تھے۔

☆ دورانِ درس طلبہ کے لیے آزادی ہوتی کہ اپنے شبہات واعتراضات پرچیوں پر لکھ کر پیش کریں، بعض پرچیاں معقول اور وزنی ہوتیں، بعض مہمل اور لغو قسم کی ہوتی تھیں، ہر پرچی کو کشادہ جبینی سے پڑھتے اور جواب مرحمت فرما کر مطمئن فرماتے، کبھی آپ کو اعتراضات سے مکدر اور منقبض ہوتے ہوئے دیکھا نہیں گیا۔

☆ موقع بموقع حضرت نانوتویؒ کی تحقیقات وحکم کا بیان۔

☆ اخلاقیات ومعاشرت سے متعلقہ احادیث میں طلبہ کی اخلاقی تربیت اور ان میں اصلاحِ معاشرہ کا جذبہ پیدا کرنے کی غرض سے اخلاقیات اور اصولِ معاشرت پر کھل کر تقریر فرماتے۔

کشادہ ذہنی، قوی حافظہ، ذکی فہم، تدریسی عرصے میں مختلف البلاد، مختلف المسالک طلبہ کو مختلف علوم وفنون کی تدریس، مدینہ پاک کے کتب خانوں اور وہاں کے علماء سے اختلاط واستفادہ، اسارتِ مالٹا میں دنیا بھر کے عالی دماغ سیاسی افراد سے ملاقات وتبادلۂ خیال، اپنے خاص استاذ کی رفاقت، علمی وسیاسی امور میں معاونت، سیاسی شعور وحساسیت اور آزادئ وطن کے لیے بے پناہ قربانیوں کی وجہ سے آپ کی شخصیت میں وہ تمام صلاحتیں جمع ہوگئیں تھیں جو ایک وسیع النظر متبحر عالمِ دین میں ہونی چاہئیں۔

☆ اس وجہ سے حضرت الاستاذ چاہتے تھے کہ طالبِ علم محض کتاب کا کیڑا بن کر نہ رہ جائے؛ بلکہ مسلمان، ملک وقوم اور عالمِ اسلام سب کے لیے مفید ونافع بنے، اس لیے حدیثِ شریف کے درس میں موقع ومحل کے اعتبار سے جہاں اخلاقی ومعاشرتی درس دیتے تھے، تاریخی، اقتصادی، سیاسی اور عالم اسلام سے متعلق بہت سی باتیں ذکر فرماتے؛ تاکہ عالمی مسائل کے سمجھنے میں اور عالمِ اسلام کے استحکام کی راہ میں جدوجہد کا جذبہ پیدا ہو۔

☆ بخاری جلد اول اور ترمذی میں طلبہ عبارت پڑھا کرتے تھے، بعد نماز عشاء بخاری جلد ثانی (از کتاب المغازی) کا سبق ہوتا تھا، جس میں حضرت الاستاذ خود فصیح عربی زبان کے لہجہ میں قراءت فرماتے کہ دارالحدیث میں ایک عجیب کیف وسماں ہوتا تھا جس کو ہر شخص محسوس کرتا تھا۔

☆ابتدائے قراءت میں مندرجہ ذیل خطبہ پڑھا کرتے تھے:

الحمدللہ رب العلمین ،والصلوۃ والسلام علی خیر خلقه سیدناو مولانا محمد،وآله ،واصحابه اجمعین ،امابعد : فان اصدق الحدیث کتاب اللہ ، وخیرالھدی ھد ی سیدنا ومولانامحمد صلی اللہ علیه وسلم، وشرالامور محدثاتھا ،وکل محدثة بدعة ،وکل بدعة ضلالة ،وکل ضلالة فی النار ، وبالسند المتصل منا الی الامام الحافظ الحجة امیر المؤمنین فی الحدیث ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن المغیرة بن بردزبة الجعفی البخاری رحمه اللہ تعالی، ونفعنا بعلومه، آمین انه قال الخ.

☆رسول اللہ کے ساتھ ـصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ـ ،کسی پیغمبر کا نام آتا،تو علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام کہتے۔

☆صحابی کا نام ہوتا،تو رضی اللہ عنہ،سندِ حدیث میں صحابی کے ساتھ دیگر رجال کے لیے رضی اللہ عنہ وعنہم فرماتے۔

☆ائمہ مذاہب کے لیے رحمہ اللہ اگر ایک سے زاید ہوں،تو رحمہم اللہ کہتے۔

اگر طالبِ علم مذکورہ امور میں قراءتِ حدیث کے درمیان کوتاہی کرتا،تو فوراً اٹو کتے اوراس کی خیرات وبرکات کو بیان فرماتے۔

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں: میں مدینہ منورہ کے قیام کے زمانے ہی سے ترضی میں صحابی کے ساتھ دیگر رجالِ سند کو بھی شامل کرتا رہا ہوں،ایک دن خواب میں دیکھا کہ بڑے بڑے محدثین حرم محترم میں بیٹھے ہوئے ہیں، میں بھی وہاں بیٹھ گیا،کسی نے کہا کہ: حسین احمد کے لیے دعا کرو، یہ ترضی میں صحابہ کرام کے ساتھ ہم کو بھی شامل کرتا ہے۔

(ملخص از ہندوستان اور علم حدیث:۵۵۵)

احقر ابوفیضان عبداللطیف عرض گزار ہے کہ الحمداللہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے بلاواسطہ تلامذہ میں حضرت مولانا شیخ نصیر احمد خاں صاحبؒ سے صحیح بخاری جلداول ،حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمیؒ سے صحیح بخاری جلد ثانی ، بحرالعلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی سے مسلم جلد ثانی اور سنن ابوداؤد جلد اول اور علامہ قمر

الدین صاحب گورکھپوری مدظلہ العالی سے مسلم جلد اول اور نسائی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، بقیہ کتبِ حدیث حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ کے تلامذہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ سے جامع ترمذی جلد اول اور شرح معانی الآثار، حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ سے ترمذی جلد ثانی، حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ سے سنن ابن ماجہ، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدارسی مدظلہ العالی سے شمائل ترمذی اور حضرت مولانا قاری عثمان صاحب منصورپوریؒ سے موطا امام مالک اور حضرت مفتی امین صاحب پالن پوری مدظلہ سے مؤطا امام محمدؒ پڑھی ہے۔

الحمد اللہ دارالعلوم دیوبند میں تمام اساتذۂ کرام کے سامنے قراءتِ حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی مذکورہ خصوصیات درسِ حدیث اور قراءتِ حدیث کے معمولات ہیں، گویا حضرت مدنیؒ نے جن طریقوں و آداب کے ساتھ درس حدیث اور قراءتِ حدیث کی بنیاد ڈالی، وہی طریقے اور آداب آپ کے تلامذہ کے توسط سے برصغیر ہندو پاک میں زندہ ہیں۔

تلامذہ

مدینہ منورہ کے قیام کے زمانے میں اہل مدینہ، ترکی، بخاری، الجزائر اور دیگر ممالک کے بے شمار مختلف المسالک طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا ہے، حرمِ نبوی میں آپ کے زمانے میں طالبانِ علوم نبوت کی کثیر تعداد آپ کے حلقہء درس میں شریک ہو کر استفادہ کرتی تھی، جن میں سے چند مشہور و ممتاز تلامذہ شیخ عبدالحفیظ کردیؒ عضو المحکمۃ العلیا، شیخ احمد بساطیؒ قاضی مدینہ منورہ، شیخ محمود عبدالجوادؒ سابق چیرمین بلدیہ مدینہ منورہ، مجاہد جلیل شیخ بشیر ابراہیمی جزائریؒ اور جزائر کے مشہور مجاہدِ آزادی اور سیاسی رہنما شیخ عبدالحمید بن بادیسؒ ہیں۔ (ہندوستان اور علم حدیث: ۵۵۰)

دارالعلوم دیوبند کی مسندِ صدارت اور درسِ حدیث کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ کے فیض کو دور دور تک پہنچایا، آپ کے خلوص وللّٰہیت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے تلامذہ کو مقبولیت سے نوازا، تلامذہ نے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک

میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور حدیثِ شریف میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

حضرت مولانا شیخ نصیر احمد خاں صاحبؒ نے تقریباً بتیس سال صحیح بخاری جلد اول اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمیؒ نے تقریباً یہی مدت بخاری جلد ثانی کا درس دیا، دارالعلوم وقف دیوبند میں حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودیؒ نے بھی عرصہ دراز بخاری کا درس دیا ہے، مولانا سلیم اللہ خاںؒ جو وفاق المدارس پاکستان کے صدر تھے، حضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے، عرصہ ءدراز بخاری وترمذی کا درس دیا، بندۂ ناچیز کے طالب علمی کے زمانے میں جنوبی ہندوستان، شمالی ہندوستان اور بنگلہ دیش کے اکثر مدارس اسلامیہ کے شیوخ الحدیث حضرت مدنیؒ کے تلامذہ تھے، یا حضرت مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادیؒ کے تلامذہ۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ سے درس بخاری وترمذی میں شرکت کرنے والے تلامذہ کی تعداد تقریباً چار ہزار چار سو تراسی ہے (۴۴۸۳) ہے، جو ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ (ہندوستان اور علم حدیث:۱۵۵)

وصال

حضرت مدنیؒ نے بخاری شریف کا آخری درس ۲۸ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۵/۷/۱۹۵۷ء کو دیا، بروز جمعرات دوپہر ۱۳/ جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ مطابق ۵/ دسمبر ۱۹۵۷ء کو علم وعمل، زہد وتقوی اور رشد وہدایت کا آفتاب غروب ہوگیا، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ایماء پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رات بارہ بجے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے جسد خاکی کو قبرستان قاسمی میں آپ کے استاذِ محترم حضرت شیخ الہندؒ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ۱۴۳۳ھ مولانا فضیل ہلال عثمانی)

❀--❀--❀

فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مرادآبادیؒ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

آپ کا اسم گرامی سید فخر الدین احمد بن جناب حکیم سید عالم بن منشی سید عبد الکریم ہے، آپ کا سلسلۂ نسب بتیس واسطوں سے حضرت حسن بن علی بن ابی طالبؓ سے جا ملتا ہے۔

آپ کا خاندان ہرات، ''لاہور'' اور ''ملتان'' ہوتے ہوئے ''شاہ جہاں'' کے دور میں ''دہلی'' پہنچا، آپ کے آباء واجداد میں سید قطب اور سید عالم ممتاز علماء میں سے تھے، شاہ جہاں جو علم پرور اور بزرگوں سے عقیدت ومحبت رکھنے والا شہنشاہ تھا، اس نے سید قطب اور سید عالم کے درس وتدریس کے لیے ہاپوڑ میں ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور دوسرے محلے میں ان حضرات کے قیام کے لیے مکانات تعمیر کروائے، اس طرح یہ خاندان ''ہاپوڑ'' میں آباد ہوگیا، آپ کے دادا منشی سید عبد الکریم صاحب محکمۂ پولیس میں ملازمت کے پیشِ نظر ''اجمیر'' صوبہ راجستھان میں قیام پذیر تھے، اسی زمانے میں ۱۳۰۷ھ م ۱۸۸۹ء شہر ''اجمیر'' میں فخر المحدثین کی ولادت ہوئی، آپ نے ''جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی'' مرادآباد میں نصف صدی تدریسی خدمات انجام دیں ہیں اور مرادآباد ہی میں مقیم تھے، اس وجہ سے آپ کو مرادآبادی کہا جاتا ہے۔

(مقدمہ ایضاح البخاری ۱/۱۹)

ابتدائی تعلیم

قاعدہ اور ناظرۂ قرآن مجید والدہ سے پڑھا، اردو اور فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی گھر کے افراد ہی سے پڑھیں اور فارسی کی اونچی کتابیں اپنے نانا مظفر علیؒ صاحب سے پڑھیں، اس کے بعد ''مدرسہ منبع العلوم'' گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد تھوڑا عرصہ بڑے بھائی جناب نصیر الدین صاحب کے ہم راہ دہلی میں تعلیم حاصل کی،

بڑے بھائی ''نمونیہ'' کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے، اس حادثے کی بنا پر والدہ بھی اسی مرض اور غم میں مبتلا ہو کر تین دن کے بعد انتقال کر گئیں، والدہ کی وفات کی خبر سن کر حضرت کے دادا صرف ایک گھنٹے کے وقفے میں انتقال کر گئے، والد صاحب ان حوادث کی تاب نہ لا کر تین دن کے بعد انتقال کر گئے، حضرت فخر المحدثین کے لیے حالات سنگین ہو گئے دو چھوٹے بھائیوں کی کفالت دو پھوپیوں نے کی اور تعلیمی سلسلہ تقریباً موقوف ہو گیا۔ (مقدمہ ایضاح البخاری ۱/۲۱)

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

اسی عرصے میں جامع مسجد ہاپوڑ میں ایک مدرسہ کھولا گیا جس میں آپ نے چند دن تعلیم حاصل کی، اسی دوران آپ کے ماموں جناب سید اسماعیل صاحب سرپرستی فرماتے ہوئے آپ کو ''دارالعلوم'' دیوبند بھیج دیا ہے، حضرت فخر المحدثین ۱۳۲۶ھ میں انیس سال کی عمر میں دارالعلوم پہنچے، حضرت شیخ الہندؒ نے داخلے کے لیے ''مشکوۃ المصابیح'' اور ''ہدایہ آخرین'' کا امتحان لیا اور فرمایا: تم دورۂ حدیث کی کتابیں دو سال میں پڑھو، چناں چہ حضرت الاستاذ نے دورۂ حدیث کی کتابوں کے ساتھ مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھ کر ۱۳۲۸ھ میں فراغت حاصل کی۔ (مقدمہ ایضاح البخاری ۱/۲۲)

درس وتدریس

فراغت کے معًا بعد اساتذۂ کرام نے آپ کو ''دارالعلوم'' دیوبند میں تدریس کے لیے تقرر فرمالیا، کچھ عرصہ بعد آپ کو ۱۳۲۹ھ میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانیؒ نے دارالعلوم دیوبند کی طرف سے ''جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی'' مرادآباد روانہ فرمایا، اولاً آپ سے ابوداؤد، جلالین، شرح عقائد، میبذی اور ملاحسن متعلق کی گئیں، ''جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی'' مرادآباد میں حضرت نے تقریباً اڑتالیس (۴۸) سال تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کی استعداد کی پختگی اور قابلیت کی وجہ سے مختلف مدارس سے بڑی بڑی تنخواہ کے ساتھ دعوت دی گئی؛ لیکن آپ نے ہر ایک سے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میرے بزرگوں نے مجھے شاہی مرادآباد روانہ کیا ہے، ان کی ایماء کے بغیر کسی اور جگہ

جانے کے لیے تیار نہیں۔(مقدمہ ایضاح البخاری ۱/ ۲۴)

دارالعلوم دیو بند میں تدریس ومنصبِ صدارت

۱۹۴۲ء شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ مراد آباد جیل میں محصور تھے، اس وقت حضرت مدنی اور اکابر کے حکم سے دارالعلوم دیو بند تشریف لا کر بخاری شریف کا درس دیا۔(مقدمہ ایضاح البخاری ۱/ ۲۴)

۱۹۴۵ء میں حضرت مدنیؒ نے کسی اہم کام کے لیے دارالعلوم سے پانچ ماہ کی رخصت لی، حضرت فخر المحدثینؒ کو اس عرصے میں ترمذی شریف پڑھانے کے لیے بلالیا گیا، آپ نے ترمذی شریف کا درس یا، ان دونوں موقعوں پر آپ کو قائم مقام صدر المدرسین بنایا گیا، تیسری مرتبہ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیو بند کے وصال کے بعد مستقل طور سے دارالعلوم دیو بند میں شیخ الحدیث بنادیا گیا، آخر عمر تک پوری علمی شان وشوکت کے ساتھ بخاری شریف کا درس دیا، ۱۳۸۷ھ میں علامہ ابراہیم بلیاویؒ کے بعد آپ کو صدالمدرسین بھی بنادیا گیا۔

(مقدمہ ایضاح البخاری ۱/ ۲۵)

علمی شان ومقام

آپ قابل وجید الاستعداد عالمِ دین تھے، حضرت شیخ الہندؒ اور علامہ انور شاہؒ کشمیریؒ سے علم حاصل کیا تھا، اکابر کو آپ کی استعداد اور قابلیت پر مکمل اعتماد واطمینان تھا، یہی وجہ ہے کہ مردم شناس مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانیؒ نے آپ کے فراغت کے فوراً بعد دارالعلوم میں مدرس اور ایک سال کے بعد ''جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی'' مرادآباد کے درجہ علیا کا استاذ مقرر فرمادیا۔(حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ سے بندے نے براہ راست یہ باتیں سنی ہیں)

حضرت مدنیؒ نے اپنی زندگی میں دومرتبہ آپ کو دارالعلوم میں درسِ حدیث اور صدر مدرسی میں قائم مقام بنایا اور جب مرض الوفات میں مبتلا ہوئے، تو حضرت مدنیؒ نے تین ماہ قبل بخاری شریف کا درس آپ کے سپرد کیا، حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد

اراکینِ شوری نے آپ کو مستقل طور پر دار العلوم دیو بند کا شیخ الحدیث مقرر کر دیا۔

طرز تدریس بخاری

مولانا ممدوح حضرت شیخ الہندؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے، اس لیے آپ کے درس میں دونوں جلیل القدر اساتذہ کے رنگ کی آمیزش پائی جاتی تھی۔

☆ چناں چہ آپ کا درس بخاری نہایت مبسوط، مفصل اور دل نشین ہوتا تھا، حدیث کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث ہوتی تھی۔

☆ اختلافِ مذاہب اور دلائل کے ذکر کرنے کے بعد احناف کے فقہی مسلک کی تائید و ترجیح کی وضاحت میں ایسے پر زور دلائل پیش فرماتے کہ سامع کا ذھن مطمئن ہو جاتا تھا۔

☆ درسِ بخاری میں محدثین کی تشریحات، اساتذۂ کرام کے علوم و معارف اور کتبِ حدیث متداولہ اور غیر متدولہ کا خلاصہ مذکور ہوتا۔

☆ اندازِ بیان نہایت پاکیزہ وشستہ تھا، اس وجہ سے آپ کے درس بخاری کو شہرتِ تامہ اور قبول عام حاصل تھا۔ (ملخص از تاریخ دار العلوم ۱/ ۱۰۷)

☆ آپ کو تراجمِ بخاری کے حل کرنے میں ابواب و کتب کے درمیان مناسبت بیان کرنے میں کمال حاصل تھا، تراجمِ بخاری کی گہرائی و گیرائی سے خوب واقف تھے، آپ نے تراجمِ بخاری سے متعلق **"القول الفصیح بنضدابواب الصحیح"** کے نام سے عربی زبان میں ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں یہ سعی (ترجمۃ الباب کی تشریح) غایت درجہ اہتمام سے کی جاتی اور بالخصوص جلد اول کی تدریس کے وقت موصوف رموز و نکات بیان کرتے اور تراجمِ ابواب کی حکمتیں اور مصلحتیں اس طرح واشگاف فرماتے کہ خیال ہونے لگتا ہے کہ خود مصنف ہی کتاب پڑھا رہے ہیں؛ بلکہ کبھی تو ذھن غلط، یا صحیح، ایسا سوچنے لگتا کہ امام بخاریؒ بھی شاید اس سے بہتر نہ پڑھاتے۔

(ہندوستان اور علم حدیث: ۹۶۳)

مولانا کی ایک صفت جس میں وہ ہم عصر اکثر علماء سے ممتاز نظر آتے ہیں، زبان کی فصاحت و بلاغت اور شیرینی تھی۔۔۔مولانا جب لبِ کشا ہوتے، تو معلوم ہوتا کہ سچ مچ پھول جھڑ رہے ہیں، ان کے نرم و نازک گلابی ہونٹوں سے نکلتے الفاظ بکھرتے موتی نظر آتے، شگفتہ حسین گلکوں چہرہ اور اس پر نورانی سفید ڈاڑھی (راقم کی نظر سے طبقہء علماء میں اتنا حسین وجمیل اور کوئی نہیں گذرا) اس منظر کو ایسا دل کش بنادیتے کہ سبحان اللہ!

جب کبھی بخاری پڑھتے، تو ایسے مترنم اور پرسوز لہجہ میں روانی کے ساتھ پڑھتے کہ ایسا سماں بندھ جاتا جس سے سامع ہمہ تن گوش ہوکر مستغرق ہوجاتا، کبھی کسی عربی عبارت کے ترجمے کی ضرورت پیش آتی، تو ایسا با محاورہ ترجمہ کرتے کہ لطف آجاتا اور چٹخارہ حاصل ہوتا، جس سے مولانا کی عربی اور اردو زبانوں سے گہری واقفیت اور راداشناسی؛ بلکہ مہارت اور عبور کا پتہ چلتا۔ (ہندوستان اور علم حدیث: ۶۴۳)

آپ کے شاگرد رشید حکیم الملت امیر شریعت دوم کرناٹک حضرت مولانا مفتی اشرف علی صاحب باقوی رحمۃ اللہ علیہ ''دار العلوم سبیل الرشاد'' بنگلور میں تقریباً نصف صدی بخاری شریف کا درس دیا ہے، آپ نہایت فصیح وبلیغ شستہ اور شیریں اردو بولتے تھے، ہمارے استاذ محترم امیر شریعت کے تلمیذِ رشید حضرت مولانا مفتی محمد اسلم صاحب رشادی مدظلہ فرماتے ہیں کہ امیر شریعت حضرت مفتی صاحبؒ دورانِ درس اپنے استاذ محترم فخر المحدثینؒ سے احادیث شریفہ کے بامحاورہ ترجمے بکثرت نقل فرماتے، استاذ کی عقیدت ومحبت سے آب دیدہ ہوجاتے اور آواز بھر آتی تھی، ہمارے استاذِ محترم ان بامحارہ ترجموں کو اپنے استاذ کے توسط سے خوب نقل فرماتے رہتے ہیں، واقعی وہ اردو ترجمہ حدیث کا معنی ومغز، فہم مخاطب اور متداولہ محاورں کی رعایت پر مشتمل ہوتا ہے، دل ودماغ گواہی دیتے ہیں کہ ان الفاظِ حدیث کو اردو قالب میں اس سے بہتر تعبیر میں ادا نہیں کیا جاسکتا ہے۔

تلامذہ

آپ نے ''جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی'' مرادآباد میں تقریباً اڑتالیس (۴۸) سال کتبِ حدیث اور بخاری شریف کا درس (اڑتیس سال) دیا ہے، دار العلوم دیوبند میں تقریباً

پندرہ سال بخاری شریف کا درس دیا ہے، آپ کے زمانے میں دارالعلوم میں دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد تقریباً ڈھائی سو اور پونے تین سو ہوا کرتی تھی، اس اعتبار سے آپ کے تلامذہ کی تعداد کم از کم پانچ ہزار سے زاید ضرور ہوگی۔

چند مشہور تلامذہ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ سابق صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ مرتب ''ایضاح البخاری'' افادات فخر المحدثین استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند، امیر شریعت دوم حضرت مولانا مفتی اشرف علی صاحبؒ باقوی مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور، فقیہ بے بدل حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلیؒ استاذِ حدیث وفقہ دارلعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، امیر الہند حضرت مولانا قاری سید عثمان صاحب منصور پوریؒ استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمیعت علمائے ہند، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند، رحمہم اللہ، حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند، صدر جمعیت علمائے ہند، سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند،، مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، علامہ قمر الدین صاحب گورک پوری مدظلہ، مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی مدظلہ قائم مقام مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی امین صاحب پالن پوری مدظلہ وغیرہ ہیں، یہ وہ اساتذۂ حدیث ہیں جن سے بندے نے حدیث کی کتابیں پڑھی ہیں، یا وہ حضرات ہیں جو فخر المحدثین کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں، ورنہ آپ کے بلاواسطہ اور بالواسطہ تلامذہ کی تعدار بے شمار ہے، ان روشن وتابناک ستاروں سے اس سراج منیر کا اندازہ لگائیں جس سے انہوں روشنی حاصل کی ہے۔

وفات

۲۰ / صفر المظفر ۱۳۹۲ھ م ۱۵ / اپریل ۱۹۷۲ء کو چند ماہ کی علالت کے بعد مراد آباد میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی، دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے بلاواسطہ تلامذہ کے درس بخاری کا سلسلہ آپ پر منتہی ہوگیا، حضرت مولانا قاری محمد

طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے نماز جنازہ پڑھائی۔

وفات کا حادثہ نصفِ شب میں پیش آیا، وفات کی رات میں آپ کی چار پائی کے نیچے ایک روشنی نمودار ہوتی تھی، پھر غائب ہوجاتی تھی، جب وفات ہوگئی، تو دور کے متعدد اہل محلہ نے دیکھا کہ ایک روشن قندیل زمین سے آسمان کی طرف صعود کر رہی ہے، لوگ اس علامت کو دیکھ کر حضرت کے گھر پر حاضر ہوئے، تو دیکھا کہ فخر المحدثین کا وصال ہوگیا۔ (گویا آپ کی پاکیزہ و مقدس روح عالمِ بالا کی طرف منتقل ہوگئی)

(مقدمہ ایضاح البخاری ۱/۲۶)

آپ کا طرز تعلیم مشفقانہ دل گداز
اور اندازِ خطابت دل نشین و جاں نواز

حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بانی جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

آپ کا نام سید محمد یوسف بن محمد زکریا ہے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت علی زین العابدینؒ کے واسطے سے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے جاملتا ہے۔

آپ کی ولادت ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء کو پاکستان میں ہوئی، آپ کے جد امجد سید آدم صاحب نے ہندوستان کے مشہور شہر ''انبالہ'' کے ایک قریہ ''بنور'' میں سکونت اختیار کی تھی، جس کی وجہ سے آپ کے خاندان کو ''بنوری'' کہا جاتا ہے۔

تحصیلِ علم

آپ کا خاندان دیانت داری، تقوی و پرہیز گاری سے متصف تھا، آپ کے والد محترم متقی، زاہد اور عالمِ دین تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سید محمد زکریا صاحب اور ماموں شیخ فضل حمدانی صاحب اور شیخ عبداللہ صاحب سے حاصل کی، علامہ بنوریؒ کی دادی کا تعلق ''کابل'' کے شاہی خانوادے سے تھا، اس مناسبت سے علامہ سید محمد یوسفؒ کے والد محترم ''کابل'' ہی میں مقیم تھے، چناں چہ علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کو اپنی ابتدائی تعلیم اور کتبِ متوسطہ کی تعلیم کے سلسلے میں ''کابل'' اور ''پشاور'' کے نامور علماء سے استفادہ کا موقع ملا۔

اعلی تعلیم کے لیے ۱۳۴۵ھ میں از ہر ہند ''دارالعلوم دیوبند'' میں داخلہ لے کر دو سال حدیث، اصولِ حدیث، نیز تفسیر اور اصولِ تفسیر کی امہات کتب پڑھیں، آپ کے مشہور اساتذہ میں امام العصر محدث کبیر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ہیں، یہ دونوں اکابر جب ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین'' ڈابھیل تدریس کے لیے تشریف لے گئے، تو علامہ بنوریؒ بھی اپنے اساتذہ کی معیت میں ڈابھیل چلے گئے اور حضرت شاہ صاحبؒ سے ڈابھیل ہی میں ''صحیح بخاری'' اور جامع ترمذی'' پڑھی ہے اور آپ شاہ صاحبؒ کے

سفر وحضر کے خادم اور آپ کے خاص معتمد بن گئے۔

علمی مقام ومرتبہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیدار مغز، اخاذ ذہن اور بصیرتِ تامہ عطا فرمائی تھی، حدیث وتفسیر؛ بلکہ ہر فن میں آپ کو مہارتِ تامہ حاصل تھی، آپ کو تدریس، تصنیف، وعظ وارشاد پر یکساں قدرت حاصل تھی۔

تدریسی خدمات

(۱) فراغت کے بعد ''پشاور'' میں چار سال تدریسی خدمات انجام دیں۔

(۲) آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم کے امین اور شارح تھے، اس وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ''جامعہ اسلامیہ'' ڈابھیل کے ذمہ داروں نے ڈابھیل میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث بنا دیا، آپ نے اس جامعہ میں طویل عرصہ تدریسی اور تصنیفی خدمات انجام دیں، ڈابھیل کے تدریسی زمانے میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند اور قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند نے آپ کو ''دار العلوم'' میں درجہ علیا کے استاذ کی حیثیت سے مدعو کیا، آپ نے اپنے شیخ کی جانشینی کو ترجیح دی، ۱۹۵۱ء میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے اصرار پر ''پاکستان'' ہجرت فرمائی۔

(۳) پاکستان ہجرت کرنے کے بعد ''سندھ'' کے علاقے میں ''دار العلوم الاسلامیہ'' میں بحیثیت شیخ التفسیر تین سال خدمت انجام دی۔

(۴) نیوٹاؤن، کراچی، پاکستان میں ''دار العلوم عربیہ اسلامیہ'' کی بنیاد رکھی، اصلاً اس مدرسے کو علامہ بنوریؒ نے فارغ التحصیل علماء کے لیے تخصصات کی غرض سے قائم فرمایا تھا اور آپ نے اپنی زندگی میں ''تخصص فی الحدیث''، ''تخصص فی الفقہ الاسلامی'' اور ''تخصص فی الدعوۃ والارشاد'' کو شروع فرمادیا تھا، طلبہ کے رجوع اور لوگوں کے اصرار کی وجہ سے ثانوی تعلیم شروع فرمائی، اس جامعہ سے پچیس سے زائد ملکوں کے طلبہ نے استفادہ کیا ہے۔

(۵) آپ نے دینِ اسلام کی اشاعت وحفاظت کے لیے ماہنامہ ''بینات'' کا سلسلہ شروع فرمایا جس میں ''بصائر وعبر'' کے عنوان سے اداریہ تحریر فرماتے تھے، اسلام پر ہونے والے حملوں کا پوری قوت سے مدافعت فرماتے، یہ ماہنامہ اسم با مسمی تھا۔

(۶) آپ ''جمعیت العلماء'' گجرات کے صدر، جامعہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث، دار العلوم اسلامیہ ''تندوالہ یار'' کے شیخ التفسیر، ''المجمع العلمی العربی'' دمشق کے رکن اور ''مجمع البحوث الاسلامیہ'' کے رکن، تحفظ ختمِ نبوت اور ''وفاق المدارس'' پاکستان کے صدر اور ''جامعہ العلوم الاسلامیہ'' بنوری ٹاؤن کراچی کے بانی تھے۔

فرقِ ضالہ کی تردید

عنایت اللہ مشرقی کی ''خاکسار جماعت'' غلام احمد پرویز کا انکارِ حدیث کا فتنہ اور مودودیت کا فتنہ، بطورِ خاص فتنۂ قادیانیت کے لیے آپ نے پورے پاکستان کی خاک چھان کر امت کو ان کی ضلالت وگمراہی اور ان کے دجل وتلبیسات سے متنبہ کیا، امت مسلمہ سے متعلق یہ بے قراری وبے چینی بھی علامہ یوسف بنوریؒ کو اپنے استاذِ محترم سے وراثت میں ملی تھی۔

آپ فرماتے ہیں: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: جب قادنیت کا فتنہ شروع ہوا، تو مجھے چھ ماہ نیند نہیں آئی، اس خوف سے کہ کہیں یہ فتنہ امت مسلمہ کو فنا نہ کر دے؛ لیکن اللہ نے شرح صدر فرمایا کہ یہ فتنہ اپنے آپ مرے گا، اسلام اور مسلمانوں کا کوئی نقصان نہیں ہوگا، اس فتنے کے دعاوی کے ابطال کے لیے آپ نے ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' تصنیف فرمائی اور حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ سے ''ختم نبوت'' کی تصنیف کروائی۔

تصانیف

(۱) نفحۃ العنبر فی حیاۃ امام العصر الشیخ انور اپنے استاذ محترم کی سوانح (عربی)

(۲) یتیمۃ البیان فی شئ من علوم القرآن علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی کتاب مشکلات القرآن کے لیے وقیع مقدمہ

(۳) معارف السنن شرح جامع ترمذی

تلامذہ

آپ سے مختلف مقامات میں استفادہ کرنے والے طلبہ کی تعداد بے شمار ہے، جن میں سرفہرست مشہور عربی محدثین شیخ عبدالفتاح ابوغدہ شامیؒ، حسن مشاط مالکیؒ، استاذ ''مدرسہ صولتیہ'' مکہ المکرمہ بھی شامل ہیں۔ (ملخص از مقدمہ معارف السنن)

وفات

آپ کی وفات بروز پیر ۳/ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۷/اکتوبر ۱۹۷۷ء میں ہوئی، آپ کے جامعہ میں تدفین عمل میں آئی۔

معارف السنن کی تالیف کا پس منظر

معارف السنن کی تالیف کی روداد خود مؤلف کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے زمانے میں علومِ روایت ودرایت کے مُسند، احادیث و مشکل مسائل کے حل کے لیے مرجع تھے، ''صحیح بخاری اور ''جامع ترمذی'' کے اسباق میں روایتِ حدیث، درایتِ حدیث وفقہ اور ہر طرح کے علم وفن کی عمدہ ونفیس بحثیں جو سبق سے متعلق ہوتیں بیان فرماتے، جو طلبہ شوقین، بیدار مغز، صاحبِ بصیرت ہوتے، سبق ہی میں آپ کے علوم کو نوٹ کر لیتے، تیز لکھنے والے طلبہ سے بھی ایک تہائی حصہ چھوٹ جاتا اور تعبیرات وکتابت کی اغلاط اور کئی طرح کا نقص رہ جاتا جیسا کہ عام طور سے اسباق کی کاپیوں میں ہوتا ہے، سبق کی ان ہی کاپیوں میں ایک کاپی ''العرف الشذی'' فی شرح الترمذی ہے۔

حضرت مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں:

جناب محمد بن موسی میاں صاحب افریقی حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے عاشق زار اور آپ کے علوم وفنون کو عام کرنے کے بے حد مشتاق تھے، انہوں نے اس شرح کی تصحیح، مراجع ومصادر سے آراستہ کرنے، اس میں موجود نقص کو دور کر کے عمدہ اسلوب وتعبیر میں پیش کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور اس ذمہ داری کا مجھے مکلف بنا دیا۔

میں نے استاذِ محترم کی تقریر کے ہر ہر جزئیہ کے حوالجات کی تلاش شروع کی جن کی

طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے، چناں چہ جس طرح شروحِ حدیث ''فتح الباری''، ''عمدۃ القاری'' فقہ المذاہب کے لیے ''شرح مہذب''، ''مغنی لابن قدامہ'' اور کتبِ رجال کی طرف مراجعت کرتا تھا، اسی طریقے سے ''کتاب سیبویہ''، ''الرضی'' شرح کافیہ ''دلائل الاعجاز'' ''اسرار البلاغۃ''، ''عروس الافلاح'' کشف الاسرار'' شرح اصول بزدوی وغیرہ علوم وفنون کی کتب کی مراجعت بھی کرتا تھا، اس لیے کہ استاذِ محترم ان کتب کا حوالہ دیا کرتے تھے، اگر میں جوان نہ ہوتا اور استاذِ محترم کے فیوض کو عام کرنے کا دل میں شوق وجذبہ موج زن نہ ہوتا، تو اس کتاب کی تالیف میں اس قدر محنت ومشقت برداشت کرنا میرے بس میں نہ ہوتا، ایک ایک جزئیہ کے لیے بسا اوقات کئی کئی گھنٹے لگتے اور کئی کئی راتوں کی نیند بھی قربان کرنی پڑتی۔

میری محنت وتعب کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعے سے لگایا جاسکتا ہے

حضرت الاستاذ نے متعارض روایات میں تطبیق دینے سے متعلق حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے ایک قاعدہ ذکر فرمایا:

"ذکر کل مالم یذکرہ الآخر".

ہر راوی نے وہ مضمون بیان کیا ہے جس کو دوسرے نے ذکر نہیں کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' میں متعدد مقامات میں اس قاعدے سے استفادہ کیا ہے، یہ قاعدہ نہایت اہم ہے؛ لیکن اربابِ اصطلاح نے اس کو بیان نہیں کیا ہے، اس قاعدے اور اس کی تطبیق کو تلاش کرنے کے لیے ''فتح الباری'' کا ایک صفحہ صفحہ کر کے بارہ جلدوں کا میں نے مطالعہ کیا؛ یہاں تک کہ دس سے زائد مقامات پر ''فتح الباری'' میں استعمال پایا۔

جهد المتيم اشواق يظهرها دمع على صفحات الخد ينحدر

عاشق کی محنت وجستجو وہ جذبات ہیں جن کو رخسار پر بہنے والے آنسو ظاہر کرتے ہیں۔

کتاب کا اسلوب

غرض یہ کہ اس ترتیب کے مطابق میں نے کتاب الحج تک شرح کی، پھر ایک مدت کے بعد مذکورہ شرح کو عصرِ حاضر کے اسلوب میں پیش کرنے کے لیے کچھ ترمیم اور تقدیم وتاخیر کی، اس میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ کیا گیا۔

(۱) استاذِ محترم کے تمام اقوال، تحقیقات اور تشریحات کی تخریج کی ہے۔

(۲) زیر بحث موضوع میں استاذِ محترم کی کوئی تصنیف ہو، تو زیر بحث مسئلے کی تشریح وتنقیح میں اس تصنیف سے خوب استفادہ کرتے ہوئے اس کے اقتباسات کو نقل کیا ہے۔

(۳) حضرت الاستاذ نے جس بات کو اشارۃً بیان کیا ہے، حوالجات اور مفید اضافوں کے ساتھ اس کی توضیح کی ہے۔

(۴) حضرت شاہ صاحبؒ نے علامہ شوق نیمویؒ کی کتاب ''آثار السنن'' پر جو حواشی تحریر فرمائے ہیں، کتاب میں اس سے خوب استفادہ کیا ہے۔

(۵) یہ کتاب امام العصر مسند الوقت محمد انور شاہ کشمیریؒ کے اقوال، تشریحات اور تحقیقات جو آپ کی تصانیف، امالی اور تلامذہ کی درسی کاپیوں میں منتشر ہیں، ان کو جامع ہے۔

(۶) نیز یہ کتاب حضرت کے امالی ''فیض الباری''، ''العرف الشذی'' اور ''القول المحمود علی سنن ابی داوٗد'' وغیرہ کی تصحیح کے لیے مرجع ومصدر ہے۔

نوٹ: علامہ بنوریؒ نے ''معارف السنن'' کی مزید خصوصیات کا تذکرہ فرمایا ہے، احقر نے صرف کتاب کی ان خصوصیات کا ذکر کیا ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات بابرکت سے متعلق ہیں۔

کتاب کی طباعت کے لیے ایک غیبی اشارہ اور غیبی مدد

میں نے اولاً ''جزء الوتر'' کو شائع کیا، عرب علماء نے اس کو بنظرِ استحسان دیکھ کر مکمل کتاب کی طباعت کا مطالبہ کیا، جن میں سے میرے دوست حسن مشاط مالکیؒ نے مسجد حرام میں طباعت پر بے حد اصرار کیا، تو میں نے عرض کیا: عصرِ حاضر کے احوال بہت مختلف ہیں، میں طباعت کے اخراجات کا متحمل نہیں ہوں، تو شیخ حسن مشاطؒ نے کہا کہ نکاح، حج

اور کتابوں کی طباعت کے لیے اگر کوئی مناسب تدبیر اور کوشش کرے، تو اللہ تعالیٰ ان کی تکمیل فرما دیتے ہیں، یہ بات میرے تجربہ کی ہے۔

میں شیخ حسن مشاطؒ کے پاس سے متفکر ہو کر اٹھا اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے طواف کیا اور ملتزم کے پاس کعبۃ اللہ کے پردے پکڑ کر الحاح وزاری کے ساتھ دعا کی، اے اللہ! اس کتاب میں علم، دین اور امت کا فائدہ ہو، تو اس کی طباعت کے انتظامات فرما، تو قادر ہے میں عاجز و بے بس ہوں، اس کے بعد اپنے وطن لوٹ آیا، تو موسیٰ میاں افریقی کے خانوادہ کے ایک شخص کا خط ملا، جس میں انہوں نے ''معارف السنن'' کی طباعت کی خواہش ظاہر کی، میں نے شیخ حسن مشاطؒ کے سامنے جو عذر پیش کیا تھا، اسی کا اعادہ کیا۔

ایک سال کے بعد دوبارہ ایک تفصیلی خط لکھا جس میں انہوں نے لکھا کہ مجھے خواب میں حضرت شاہ صاحبؒ کی زیارت نصیب ہوئی اور میں نے آپ سے عرض کیا: حدیث کی کوئی کتاب طبع کرانا چاہتا ہوں جس سے امت مستفید ہو، تو آپ نے فرمایا: وہ کتاب شائع کرو جس کو شیخ بنوریؒ نے تصنیف فرمائی ہے، میں نے اپنی دعا اور موصوف کے خواب کے وقت میں غور کیا، تو معلوم ہوا کہ موصوف کا خواب بعینہ دعا کے زمانے کا ہے، اس طرح یہ کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی، اللہ کا شکر و احسان ہے۔

(ملخص از معارف السنن ۶/ ۴۳۰ تا ۴۴۱)

کاش ''معارف السنن'' تکمیل کو پہنچ جاتی، تو کیا ہی بہتر ہوتا!

سبحان اللہ! ایک تلمیذِ رشید اور استاذ کا عاشقِ زار اپنے استاذ کے علوم و فیوض کو محنت و کوشش سے جمع کیا، امت کے لیے ایک قیمتی تحفہ کی شکل میں پیش کیا، کاش یہ کتاب تکمیل کو پہنچ جاتی، تو امت کے لیے بہت بڑا علمی خزانہ مل جاتا۔

❁--❁--❁

طلبہ نعمت اور امانت

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

حضرات علماء کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ تدریب المعلمین کے موضوع سے متعلق کچھ کلمات کہوں، اس سلسلے میں آپ حضرات سے عرض ہے کہ میں خود تدریب کا محتاج ہوں، پھر کسی کی تدریب کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں؛ البتہ اپنے بزرگوں سے جو باتیں سنی ہیں، ان کے تکرار کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

طلبہ نعمت ہیں

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ہم لوگوں سے بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ جو طلبہ آپ کے پاس پڑھنے کے لیے آئے ہیں، وہ اللہ جل جلالہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہیں؛ کیوں کہ تعلیم بھی درحقیقت دعوت وتبلیغ کا ایک شعبہ ہے اور دعوت وتبلیغ کی اصل تو یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر سے نکل کر کہیں جائے، کسی کو دعوت دے، حق کا کوئی کلمہ پہنچائے، اس کے لیے بعض اوقات سفر بھی کرنا پڑتا ہے، اپنی جگہ کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے، محنت و مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے؛ لیکن مدرسین کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن لوگوں کو دعوت دینی ہے، یا تبلیغ کرنی ہے، ان کے گھروں تک پہنچا دیا ہے، ان کو دعوت وتبلیغ کرنے کے لیے سفر کر کے کہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے مستقر پر طلبہ کو جمع کر دیا ہے، سب سے پہلی بات جو ہر مدرس اور ہر معلم کو ذہن میں رکھنی چاہئے، وہ یہی ہے کہ طلبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہیں۔

طلبہ طالب بن کر آئے ہیں

کوئی آدمی دعوت وتبلیغ کے لیے جائے، تو کسی آدمی میں بات سننے کی طلب ہوگی، کسی میں نہیں ہوگی، کوئی دھیان سے سنے گا، کوئی نہیں سنے گا، کوئی مانے گا، کوئی نہیں مانے

گا؛ لیکن جو طلبہ آپ کے پاس پڑھنے کے لیے آئے ہیں، وہ درحقیقت آپ کی بات سننے اور ماننے ہی کے لیے آئے ہیں، آپ کی بات مانیں گے، تو غالب گمان یہی ہے کہ ان پر جو محنت کی جائے گی، وہ ان شاء اللہ ضرور بارآور ہوگی۔

اگر ہم کہیں کسی عام آدمی کو دعوت دینے جائیں، تبلیغ کرنے جائیں، تو یہ بات یقینی نہیں ہے کہ وہ ضرور قبول کرے گا، رد بھی کرسکتا ہے؛ لیکن مدارس میں طالبِ علم آئے ہیں، طالبِ علم اسی کو کہتے جو طلبِ علم رکھتا ہو، علم کی طلب لے کر آیا ہو، نیز اطمینان بھی ہے کہ طلبِ علم کے ساتھ آیا ہے، چوں کہ طالب علم غالباً اسی لیے مدرس اور استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتا ہے کہ اس سے کچھ سیکھے اور غالب گمان ہے کہ جو کچھ اس کو بتایا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اس کو قبول بھی کرے گا۔

لہٰذا یہ دوسری عظیم نعمت ہے، ایک تو طالبِ علم کا آجانا نعمت اور طالبِ علم کے آجانے کے بعد اس بات کا اطمینان ہونا یہ بھی نعمت، ہر معلم، ہر مدرس اور ہر استاذ کو سب سے پہلے اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے یہ نعمت ہمارے پاس بھیج دی۔

طلبہ استاذ کے پاس امانت

دوسری بات یہ ہے کہ یہ نعمت استاذ کے پاس امانت ہے، اس امانت کا حق یہ ہے کہ جس کام کے لیے وہ آیا ہے اور جس کام کے لیے آپ اس کو پڑھانے بیٹھے ہیں، اس کا پورا پورا حق ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۔ (النساء:۵۸)

اگر بالفرض اس امانت میں کوتاہی ہوجائے، تو اس امانت کی خیانت ہوگی، اُس طالبِ علم کے ساتھ، اس کے والدین کے ساتھ، اس کے سرپرستوں کے ساتھ، مدرسے کے ساتھ اور مدرسے کے معاونین کے ساتھ بھی جو چندہ دیتے ہیں؛ تاکہ مدارس میں دین کی صحیح تعلیم ہو، صرف ایک آدمی کی خیانت نہیں ہے؛ بلکہ خود طالب علم، اس کے والدین، سرپرست، مدرسے کے ذمہ دار اور مدرسے کے معاونین سب کے ساتھ خیانت ہوگی، اگر طالب علم کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کی جائے، تو ان سب کے ساتھ خیانت

ہوگی، اس لیے سب سے اہم بات اپنی ذمہ داری کا احساس یعنی ان نعمتوں کی قدر ہے۔

اس ذمہ داری کا نہایت خوش گوار پہلو یہ ہے کہ اگر ایک طالبِ علم بھی ہمارے ذریعے کوئی بات سیکھ گیا، تو ہمارے لیے مستقل ایک صدقہ ء جاریہ ہے، جب تک وہ اس بات پر عمل کرتا رہے گا، دوسروں تک پہنچاتا رہے گا اور اس کی پہنچائی ہوئی باتوں پر دوسرے عمل کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس کا اجر و ثواب ہماری طرف منتقل ہوتا رہے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ثواب کمانے کا یہ اتنا عظیم راستہ رکھا ہے۔

اگر حق میں کوتاہی کی جائے، امانت میں خیانت کی جائے، تو عذاب کا بھی بہت بڑا خطرہ ہے؛ کیوں کہ اس میں اللہ ہی کا حق نہیں، حقوق العباد بھی پامال ہو رہے ہیں، اس لیے ذمہ داری ادا نہ ہونے پر گناہ کا بھی بڑا اشدید اندیشہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس وبال سے محفوظ رکھے اور امانت کو صحیح طریقے سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس عظیم ذمہ داری کو آدمی سمجھے، اگر اس ذمہ داری کو ادا کرے، تو ''خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ'' والی حدیث کا مصداق بننے کا اللہ تعالیٰ نے ایک موقع عطا فرمایا ہے۔

طلبہ کو علم کے ساتھ عمل کا پابند بنایا جائے

تعلیم کے دو معنی ہوتے ہیں، ایک معنی تو یہ ہے کہ جو سبق ہمارے سپرد ہے،، وہ سبق پڑھا دیا جائے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ جو ہمارے پاس پڑھ رہا ہے، اس کو اُس علم پر عمل کرنے کے لیے تیار کیا جائے جو اس کو دیا جا رہا ہے، یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ یہ دونوں کام ایک ساتھ ضروری ہیں۔

العلم بلا عمل وبال، والعمل بغیر علم ضلال.

اگر علم نہ ہو اور عمل کرنا شروع کر دے، تو ضلالت و گمراہی ہے، اگر علم ہو اور العیاذ باللہ اس پر عمل نہ ہو، تو یہ ایک مستقل وبال ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

میرے والد ماجد قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرمایا کرتے تھے: اگر محض کسی چیز کو جان لینا اور کسی چیز کا علم حاصل کر لینا موجبِ فضیلت ہوتا، تو ابلیس سب سے زیادہ افضل ہونا

چاہئے تھا، اس لیے کہ اس کے پاس جتنا علم تھا، وہ بہت سے بڑے بڑے محققین کے پاس نہیں، امام رازیؒ کو بھی انتقال کے وقت ابلیس دلائل سے شکست دے گیا؛ لیکن وہ علم کس کام کا جو انسان کو اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچا سکے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر آمادہ نہ کر سکے۔

مغربی دنیا میں مستشرقین کی ایک بہت بڑی جماعت ہے جو اسلامی فقہ، حدیث اور تفسیر کی کتابیں کھنگالے ہوئے ہے، ان کے مقالے دیکھو، ان کی کتابیں دیکھو، ہر کتاب اور مقالے میں ہماری کتابوں کے اتنے حوالے نظر آئیں گے کہ بسا اوقات مسلمان علماء کی کتابوں میں اتنے حوالے نہیں ہوتے، ایسی ایسی کتابوں کے حوالے نظر آئیں گے کہ جن کا بعض اوقات نام بھی نہیں سنا ہوگا، اتنی تحقیق تو بظاہر علم تو ہے؛ لیکن وہ علم کس کام کا جو انسان کو ایمان بھی عطا نہ کر سکے، اسی لیے العلم بلا عمل وبال ہے۔ العیاذ باللہ۔ العمل بغیر علم ضلال۔

لہٰذا دونوں چیزوں کو ساتھ لے کر چلنا ہے، تب مقصد حاصل ہوگا، اس کے بغیر مقصد پورا نہیں ہوگا۔

مکمل تیاری کے ساتھ درس میں حاضری

ہمارے بزرگوں نے فرمایا: ہر استاذ کا فریضہ ہے کہ سبق میں جانے سے پہلے اپنے سبق کی تیاری کرے، اس تیاری میں صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ جو کچھ پڑھانے جا رہا ہے، اس کا مطالعہ کر لیا، یہ تو بہت ضروری ہے کہ مطالعہ کر کے اچھی طرح اس کو اپنے ذہن میں بٹھائے اور جب تک کوئی مسئلہ واضح اور انشراحِ صدر کے ساتھ دل میں نہ آئے، اس وقت تک نہ پڑھائے۔

ہمارے شیخ المشائخ حضرت مولانا رسول خان صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ کئی مرتبہ ''دارالعلوم کراچی'' تشریف لائے، انہوں نے ایک نصیحت فرمائی: دیکھو بھائی! جو پڑھانے جا رہے ہو، اس پر جب تک مکمل شرحِ صدر نہ ہو، نہ پڑھاؤ، اس دن چھٹی لے لو، اس لیے کہ بات واضح نہیں ہوئی ہے، پورے شرحِ صدر کے ساتھ پڑھاؤ، جو بات میں کہنے جا رہا ہوں، واقعۃً وہی صحیح ہے، وہی میں پڑھاؤں گا۔

دورانِ مطالعہ ہی تسہیلِ درس کی فکر

مطالعہ اور تیاری میں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ طلبہ کی ذہنی سطح کے مطابق سبق کس طرح آسان کر کے سمجھا سکتا ہوں یعنی سمجھانے کا طریقہ بھی مطالعے کے دوران سوچنا چاہئے، بعض اوقات کوئی بحث مشکل ہے، طلبہ کی ذہنی سطح سے بلند معلوم ہو رہی ہے، مدرس اور استاذ کا فریضہ ہے کہ سوچ کر جائے کہ کس طرح اس کو آسان کر کے طلبہ کو سمجھا سکے۔

میرے شیخ حضرت مولانا سبحان محمود صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ سے ہم نے ابتدائی کتابیں: میزان ونحو میر سے لے کر چوتھے درجے تک کی تقریباً ساری کتابیں ان ہی سے پڑھیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے مطالعے میں بہت وقت صرف کرتا ہوں کہ جو مضمون پڑھانے جا رہا ہوں اس کو کس طرح آسان کر کے سمجھاؤں، باقاعدہ اہتمام کرتا ہوں، اس کو سوچنے کے لیے پورا وقت دیتا ہوں، بعض اوقات اس کا خاکہ لکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو یہ سوچ کر جاتا ہوں کہ بورڈ پر کس طرح سمجھاؤں، جب آدمی یہ سوچ کر جاتا ہے، تو پھر دقیق سے دقیق، مشکل سے مشکل بحث طلبہ کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ ''کان پور'' میں پڑھاتے تھے، فلسفے کی کتاب ''صدرا'' دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں بھی داخل تھی، اس کتاب میں ایک بہت مشہور بحث ''مثنّاۃ بالتکریر'' کی ہے، بڑی دقیق اور بڑی مشکل بحث ہے، طلبہ کو اس کا بڑا ہوّا ہوتا تھا کہ جب یہ بحث آئے گی، تو پتہ نہیں کیا ہوگا؟

حضرتؒ فرماتے ہیں: میں نے ایک دن نام لیے بغیر ''مثنّاۃ بالتکریر'' کی بحث کا خلاصہ ایک عام و آسان انداز میں طلبہ کو بتا دیا، پھر ان سے پوچھا، سمجھ گئے؟ سب نے کہا، سمجھ گئے، سب سے پوچھا، معلوم ہوا کہ طلبہ سمجھ گئے ہیں، پھر میں نے کہا جو بحث میں نے آپ کو بتائی ہے، یہی ''مثنّاۃ بالتکریر'' کی بحث ہے، طلبہ بڑے حیران ہوئے کہ ہم نے تو سوچا تھا کہ یہ کوئی بڑی اور مشکل گھاٹی ہے جس کو عبور کرنا بڑا مشکل ہے، یہ بحث تو پانی ہوگئی ہے۔

بہر حال استاذ کا کام یہ ہے کہ ایسے آسان وصحیح طریقے سے علم دے کہ دل میں اتر

جائے اور ذہن نشین ہو جائے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

کلموا الناس علی قدر عقولھم.

جس ذہنی سطح کا آدمی ہے، اسی کے حساب سے اس سے بات کرو، آپ نے تقریر کر دی اور طالب علم کے پلے کچھ نہیں پڑا، تو درس کا مقصد ہی فوت ہو گیا، لہذا تیاری کے دوران ہی سمجھانے کا طریقہ بھی سوچ کر جائے۔

طلبہ کی تربیت کا اہتمام

علم کا دوسرا شعبہ عمل ہے، طلبہ کو عملی تربیت دینے کا اہتمام ہو، طلبہ کی زندگی میں مدرس داخل ہو، ان کے دکھ درد میں شریک ہو اور یہ دیکھے کہ علم کے اثرات ان کی زندگی میں آرہے ہیں، یا نہیں؟

ہمارے اکابر علمائے دیوبند جن کے ہم سب نام لیوا ہیں، اس سلسلے میں ان کا طریقہ کیا تھا؟ دارالعلوم دیوبند کے قیام کی تاریخ اس جملہ سے نکلتی ہے

''در مدرسہ خانقاہ دیدیم''

ہم نے مدرسے ہی میں خانقاہ دیکھی ہے، حقیقت یہ تھی کہ جو لوگ پڑھ رہے ہوتے، وہ پڑھ بھی رہے ہیں اور ساتھ ساتھ دین وسنت کی اتباع، ذکر واذکار، اللہ تعالی کی طرف رجوع اور تعلق مع اللہ کی تربیت بھی حاصل کر رہے ہیں۔

چناں چہ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ دن کے وقت وہ جگہ قال اللہ اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گونجتی تھی، رات کے وقت وہاں سے اللہ کے ذکر، لوگوں کے رونے اور گڑگڑا کی آوزیں آتی تھیں۔

صحابہ کرام کے حالات میں آتا ہے کہ:

''رھبان باللیل، فرسان بالنھار''

رات کے وقت راہب ہوتے اور دن کے وقت بہترین شہسوار، اللہ تعالی نے اس کی جھلک ہمارے اکابر کی زندگیوں میں دکھلائی، ان میں سے ایک ایک رھبان باللیل

فرسان بالنھار کا نمونہ تھا۔

میرے دادا حضرت مولانا محمد یاسین صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے: ہم نے ''دارالعلوم دیوبند'' کا وہ زمانہ پایا ہے جس میں شیخ الحدیث سے لے کر چوکی دار تک ہر شخص صاحبِ نسبت ولی ہوتا تھا، چوکی دار، چوکی داری کر رہا ہے اور ذکر میں مشغول ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دولت عطا فرمائی تھی۔

اساتذہ کے عمل کی بنیاد پر طلبہ کی عملی تربیت

تحقیقی ادارے دنیا میں بہت ہیں؛ لیکن دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم اور ان کے نہج پر چلنے والے مدارس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو امتیاز بخشا وہ درحقیقت اسی وجہ سے تھا کہ عملی تربیت تھی اور تربیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ اساتذہ خود عمل پیرا ہوں۔

دارالعلوم دیوبند کے اکابر حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ سے حضرت مدنیؒ، حضرت شبیر احمد عثمانیؒ حضرت والد ماجدؒ اور حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ تک جتنے ہیں، انہوں نے کام کیا اور ان کا فیض پھیلا، ان سب کا حال یہ تھا کہ وہ دورۂ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد کسی نہ کسی اللہ والے سے بیعت کر لیتے تھے، ان کی صحبت اختیار کرتے، ان سے اصلاحی تعلق قائم کرتے، ان کے آگے اپنے آپ کو پامال کرتے، ان کی نقل وحرکت اور ان کی اداؤں کو دیکھتے تھے، اس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کی دولت، رجوع الی اللہ اور تعلق مع اللہ عطا فرماتے تھے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کو اطلاع ملی کہ اساتذہ دیر سے آتے ہیں، حضرت نے اپنی چارپائی اٹھا کر دارالعلوم کے گیٹ پر ڈال دی اور صبح کو وہاں بیٹھ کر تسبیح پڑھتے رہتے تھے، اب کوئی مدرس دیر سے آرہے ہیں، انھیں دیکھ کر فرماتے، السلام علیکم! بس اور کچھ نہیں، صرف سلام کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں بعد اساتذہ چوکس ہو گئے اور صحیح وقت پر آنے لگے، سارے اساتذہ صحیح وقت پر آنے لگے؛ مگر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ جو صدر مدرس تھے، بڑے جامع الکمالات اور جامع العلوم آدمی تھے، دنیا کا کوئی علم وفن انہوں نے نہیں چھوڑا تھا، اللہ نے ہر علم وفن

میں انھیں ماہر بنایا تھا، ان کے ساتھ لوگ جمع رہتے تھے، کوئی تعویذ مانگ رہا ہے، کوئی مسئلہ پوچھ رہا ہے، کوئی دعا کرا رہا ہے، حضرت کو آتے آتے دیر ہو جاتی، دیگر اساتذہ وقت پر آنے لگے اور وہ وقت پر آنے سے رہ گئے، حسب معمول دیر سے آتے تھے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کو خط لکھا، حضرت ''گنگوہ'' میں مقیم تھے، دارالعلوم کے سرپرست تھے، حضرت! اساتذہ دیر سے آتے تھے، اب میں اس طرح بیٹھ جاتا ہوں، الحمدللہ اساتذہ صحیح وقت پر آنے لگے ہیں؛ البتہ مولانا محمد یعقوب صاحب ابھی بھی بہت دیر کرتے ہیں، حضرت گنگوہیؒ نے اولاً حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب کے نام خط لکھا کہ مولوی صاحب! آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم خدمتِ خلق میں مشغول ہیں اور بڑی خدمت کر رہے ہیں، یاد رکھو آپ خدمتِ خلق میں لگ کر ان طلبہ کا نقصان کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں پکڑ ہو جائے گی کہ طالب علموں کا نقصان کر رہے ہو۔

ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ دیوبند آئے، مولانا رفیع الدین صاحبؒ مہتمم دارالعلوم کو بلایا اور فرمایا: میں نے ان سے کہہ تو دیا ہے؛ لیکن اب بھی وہ نہیں آئیں گے، اس لیے کہ ان کے ساتھ مسائل بہت سارے ہیں، ان کا فیض جاری ہے، پتہ نہیں، کہاں کہاں جاری ہے، لہذا صحیح وقت پر آنا ان کے لیے مشکل ہے، کوشش کریں گے؛ لیکن ایک بات بتا دیتا ہوں کہ اب تم ان کو بھول جاؤ، اس لیے کہ یہ وہ شخص ہے کہ اگر پورے دن میں مدرسہ کا صرف ایک چکر لگا لے، تب بھی اس کی تنخواہ مہنگی نہیں ہے، کچھ بھی نہ پڑھائے، صرف مدرسہ کا ایک چکر لگا لیا کرے، تو بھی مہنگا نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر اتنا اثر رکھا ہے، ان کی روحانیت اتنی عظیم ہے، اس روحانیت کی وجہ سے طلبہ کو فائدہ ہوگا۔

میرے شیخ فرمایا کرتے تھے: جب تم سبق پڑھانے جاؤ، تو راستے میں دعا مانگتے ہوئے جاؤ، اے اللہ! پڑھانے جا رہا ہوں، شرحِ صدر کے ساتھ پڑھانے کی توفیق عطا فرمائیے اور طلبہ کو اس سے فائدہ پہنچا دیجئے، جتنا اللہ کی طرف رجوع ہوگا، اتنا ہی اس کے ساتھ تعلق مضبوط ہوگا، اتنا ہی طلبہ کو فائدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرما دیں، تو۔ ان شاء اللہ، ثم ان شاء اللہ۔ ہماری تدریس

نافع بھی ہوگی اور ہمارے لیے بہت اعلی درجے کی ذخیرۂ آخرت بھی۔

اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(ملخص: رموز تدریس وتدریب: ۱۰۳)

نوٹ: مذکورہ بالا تقریر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے بروز بدھ ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ ۱۲رمئی ۲۰۱۰ء میں "مدرسہ عثمانیہ" کراچی میں تدریب المعلمین کے ایک مجلس میں فرمائی ہے، احقر نے اس کی تلخیص اور چند ذیلی عناوین کے اضافے کے ساتھ تحریری صورت میں پیش کی ہے۔

نہ تو زمین کے لیے ،نہ آسمان کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے، تو نہیں جہاں کے لیے

معلم کے فرائض اور ذمہ داریاں

حضرت مولانا مفتی سلیم اللہ خان صاحب نوراللہ مرقدہ

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین الصطفی اما بعد: اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم.

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. (آل عمران: ۱۶۴)

و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انما بعثت معلما.

(رواہ ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو، باب ماجاء فی فضل الانبیاء: ۲۲۹)

وقال: العلماء ورثة الانبياء، وان الانبياء لم يورثوا دينارًا، و لا درهماً، انما ورثوا العلم، فمن اخذبه، اخذبحظ وافر.

(رواہ الترمذی عن ابی الدرداء، باب ماجاء فی فضل الفقہ: ۲۶۸۲)

حضرات علماء کرام!

مجھے مکلف کیا گیا ہے کہ میں آپ کے سامنے کچھ گزارشات پیش کروں، میں بحیثیت معلم و مدرس اپنے تجربات کی روشنی میں بعض امور آپ کے سامنے پیش کروں گا، اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے حسن نیت کے ساتھ ان باتوں کو کہنے کی توفیق عطا فرمائے، پھر اس کا فائدہ مجھے اور آپ کو نصیب فرمائے۔

تربیت میں شفقت کا پہلو غالب ہو

معلم کے فرائض اور اس کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں اپنے تجربے کی بنا پر آپ سے یہ عرض کروں گا کہ جو طلبہ مدارس کے اندر علم حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں، ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا اہتمام بے حد ضروری ہے۔

میں نے دیکھا ہے کہ طالب علم اپنے ماضی کے اعتبار سے خواہ کیسے بھی رہے ہوں؛ لیکن مدرسے میں آنے کے بعد جب ان کو اچھا ماحول نصیب ہوتا ہے اور اچھی تربیت ان کے لیے فراہم کی جاتی ہے، تو ان کی زندگی ہمیشہ کے لیے قابل رشک نہیں؛ بلکہ انتہائی قابلِ رشک بن جاتی ہے، میں نے اس کا کئی مرتبہ مشاہدہ کیا ہے، اس لیے مدارس میں جہاں تعلیم کا اہتمام ہوتا ہے، وہاں تربیت کا اہتمام بھی ہونا چاہئے، تربیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ڈنڈا لئے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے پھرتے رہیں، ان کو مرعوب کرنے کے لیے خوف زدہ اور دہشت زدہ بنائیں؛ بلکہ شفقت غالب ہونی چاہئے، ضرورتِ شدیدہ کے پیشِ نظر تادیب کی جائے، تو کوئی مضائقہ نہیں؛ لیکن عمومی احوال اور اکثر اوقات میں تربیت کے لیے شفقت کے پہلو کو غالب رکھا جانا چاہئے۔

مکمل تیاری کے ساتھ سبق میں حاضری

اچھے معلم اور مدرس کی پہچان یہ ہے کہ طلبہ ان کے سبق کو اتنی اہمیت دیں کہ وہ کسی قیمت پر اس سبق کا ناغہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اور اس استاذ کے سبق کو یاد کرنے میں وہ مبالغے کی حد تک کام لیں۔

اگر کوئی استاذ ایسا ہے کہ طالب علم اس کے سبق میں کبھی آتا ہے اور کبھی نہیں آتا، اس کے سبق کو یاد کرنے کا اہتمام نہیں کرتا، تو وہ استاذ ناکام ہے، وہ کامیاب استاذ نہیں کہلائے گا اور کامیاب استاذ وہی کہلائے گا کہ جس کے سبق کے ساتھ طلبہ کو شغف ہو، ان کے سبق کا ناغہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اور اس کو یاد کرنے کا پورا اہتمام کریں، یہ کب ہوگا؟ یہ اس وقت ہوگا جب کہ استاذ سبق کی ایسی تیاری کر کے آئے کہ سبق اس کو زبانی یاد ہو، مختلف عنوانات سے طلبہ کو سمجھانے پر قادر ہو۔

سبق کو تقطیع کر کے سمجھانا چاہئے

ایسا نہ ہو کہ کتاب کے تابع ہو کر بات کر رہا ہے، کتاب ہٹا دی جائے، تو سبق کے بیان کرنے سے قاصر ہو، پورا سبق استاذ کو خود اپنے ذہن میں پورے طریقے سے محفوظ کر کے درس گاہ میں آنا چاہئے اور سبق کی تقطیع کر کے سمجھانا چاہئے، یہاں سے یہاں تک یہ

مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور یہاں سے یہاں تک یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد پھر جزءِ اول کا خلاصہ نہایت آسان عنوان سے بیان کرے، پھر دوسرے جزء کا خلاصہ نہایت آسان عنوان سے بیان کرے، پھر اس کے بعد کتاب پر منطبق کرے، اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے، تو طالب علموں کو بہت سہولت اور آسانی ہوتی ہے۔

ہم نے اپنے بعض اساتذہ کو دیکھا ہے کہ ان کو سبق پڑھانے کے لیے کتاب کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، بیضاوی شریف، توضیح وتلویح، خیالی، جیسی مشکل کتابیں سامنے رکھے بغیر پڑھاتے تھے اور وہ طالب علموں پر اپنی ایسی گرفت قائم کر لیتے تھے کہ طالب علموں کو نماز میں وسوسے آسکتے ہیں، دعا کے وقت وسوسے آسکتے ہیں؛ لیکن ان کے سبق میں بالکل وسوسے نہیں آتے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ طلبہ ان کے سبق کو خوب یاد کرتے تھے اور ان کے سبق میں حاضری کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔

کمزور طلبہ کو پیش نظر رکھ کر سبق پڑھایا جائے

استاذ کو چاہیے کہ جو طلبہ جماعت میں کمزور ہیں، ان کو پیشِ نظر رکھ کر سبق پڑھائے، مختلف استعداد کے لڑکے ہوتے ہیں، بعض وہ ہوتے ہیں جو مطالعے میں خود ہی کتاب کو حل کر کے لاتے ہیں، بعض وہ ہوتے ہیں جو استاذ کی بات سن کر کتاب کو بہت آسانی سے سمجھ جاتے ہیں، بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو ایک مرتبہ بیان کرنے سے سمجھ میں نہیں آتا، ان کے لیے عنوان بدل کر آسان طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی جائے، کسی کی سمجھ میں آئے، یا نہ آئے، اس سے بے نیاز ہو کر پڑھانا درست اور صحیح نہیں۔

طلبہ کو سبق میں سوال کی اجازت ہونی چاہیے

بعض لوگوں کو دیکھا کہ ان کے سبق میں اگر کسی طالب علم نے سوال کر لیا، تو اس پر ناراض ہو جاتے ہیں، یہ طریقہ غلط ہے، یا الزامی جواب دے کر اس کو خاموش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ بھی غلط ہے؛ بلکہ طالب علم کے سوال کا منشا سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس کو حل کرنے کے لیے اور طالب علم کو مطمئن کرنے کے لیے اطمینان بخش جواب دینا چاہیے۔

اسی طریقے سے یہ بھی ضروری ہے کہ طالبِ علم اور استاذ کے درمیان فرق مراتب

برقرار رہے، بعض استاذ طلبہ سے اتنے بے تکلف اور فری ہو جاتے ہیں کہ استاذ اور شاگرد کے مرتبے کی رعایت باقی نہیں رہتی، یہ بھی بالکل غلط ہے، بعض ایسے عبوساً قمطریرا بن کر رہتے ہیں کہ طالب علموں کو استاذ سے دریافت کرنے کی جرأت اور ہمت نہیں ہوتی، اس بات کا اہتمام ہونا چاہئے کہ فرقِ مراتب بھی برقرار رہے اور طلبہ کو اپنا سوال پیش کرنے میں کسی طرح کی الجھن اور بہت تکلف بھی نہ ہو۔

فراغت کے بعد تعلیمی امور میں مشغولی کی ذہن سازی

ہمارے مدارس میں جو طلبہ پڑھنے کے لیے آتے ہیں، ان کی ذہن سازی اس نکتۂ نظر سے بے حد ضروری ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لیے وقف کردیں، میرے کہنے کا منشا یہ ہے کہ بہت سے لوگ تعلیم حاصل کر لیتے ہیں؛ لیکن تعلیم حاصل کرنے کے بعد تجارت کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں، یا صنعت کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں، یا زمین داری کو اختیار کر لیتے ہیں، دس پندرہ سالوں میں جو علم انہوں نے حاصل کیا ہے، اس سے نہ وہ خود مستفید ہوتے ہیں اور نہ خلقِ خدا کو مستفید کرنے کے لیے کوئی منصوبہ بناتے ہیں۔

میں نے بہت سے مولویوں کو دیکھا ہے کہ پڑھنے کے بعد عالم فاضل ہو گئے، میری نظر میں کئی ایسے ہیں کہ جن کی استعداد بہت اعلی، بہت عمدہ اور بہت بہترین تھی؛ لیکن عالم بننے کے بعد انہوں نے تعلیم وتدریس کا پیشہ اختیار نہیں کیا، کسی نے گاڑی چلانی شروع کر دی، کسی نے فوج کے اندر نوکری شروع کر دی، کسی نے کارخانہ لگالیا، کارخانہ لگانے والے، یا فوج کی نوکری کرنے والے کیا کچھ کم ہیں؟ لاکھوں کروڑوں، سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

جو علماء اولاد کو دینی تعلیم سے آراستہ نہیں کرتے وہ علمِ دین کی بدنامی کا سبب

نہایت کم مقدار میں لوگ علمِ دین حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں، یہ علمِ دین کی اشاعت کے لیے اگر اپنے آپ کو مختص نہ کریں، تو افسوس کی بات ہے، میں کہا کرتا ہوں کہ ان مولویوں نے علم حاصل کرنے کے بعد اپنی اولاد کو دوسرے شعبے سے متعلق کر دیا

اور اپنی اولاد کے لیے علمِ دین کا انتخاب نہیں کیا، وہ اپنے عمل سے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ہم تو بدقسمت تھے جو ہم نے علمِ دین حاصل کیا، ہم اپنی اولاد کو بدقسمت نہیں بنائیں گے۔

کئی لوگ ایسے ہیں کہ خود تو عالم بنے؛ لیکن اپنی اولاد کو عالم نہیں بناتے، علم کو رواج دینے کے لیے انھوں نے اپنے آپ کو مختص نہیں کیا اور اپنی اولاد کو بھی علم دین کے لیے مدارس میں داخل نہیں کیا، ایسے لوگ۔ اللہ معاف فرمائے۔ ہماری نظر میں علمِ دین کی بد نامی کا سبب بنتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس دین کی حفاظت کے لیے فراستِ نبوت کو نظر انداز کر کے دوسرے طریقوں کو خود اپنے لیے اختیار کرنا اور اپنی اولاد کے لیے اختیار کرنا، یہ ناشکری کی بات ہے۔

بہر حال میری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو علمِ دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے، آپ کی تمام توانائیاں، تمام صلاحیتیں علمِ دین، علمِ شریعت کی اشاعت اور اس کو عام کرنے کے لیے قبول فرمائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بھی اس کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب نور اللہ مرقدہ نے بروز جمعرات ۱۳ رمئی ۲۰۱۰ء کو تدریب المعلمین کے اجلاس میں مذکورہ تقریر فرمائی ہے، جو ''رموزِ تدریس وتربیت'': ۶۲ پر مطبوعہ ہے، احقر نے ذیلی عناوین کے اضافہ کے ساتھ اس کی تلخیص کی ہے۔

مدرسین حضرات کے لیے دس نصیحتیں

حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم: امابعد:

خیر کم من تعلم القرآن و علمہ۔ او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

استحضارِ نعمت

محترم دوستو اور بزرگو! اللہ پاک نے ہمیں خدمتِ دین کی دولت عطا فرمائی ہے، یہ بہت بڑی نعمت ہے، آج کل لوگ حافظ بن جاتے ہیں، عالم بن جاتے ہیں؛ مگر دین کی خدمت میں نہیں لگتے، مال کمانے کی فکر ہے، کوئی ''سعودیہ'' جارہا ہے، کوئی ''امریکہ'' جارہا ہے، سب اسی چکر میں ہیں، ایسے حالات میں جن لوگوں کو مدارس و مکاتب میں معصوم بچوں کی خدمت اور قرآن مجید کی تعلیم، فقہ و حدیث کا درس دینے کی توفیق مل گئی ہے، گویا انھیں حق تعالیٰ نے قبول فرمالیا ہے، اس لیے دین کی خدمت لے رہے ہیں، آپ حضرات اس توفیق کی قدر کیجیے، یکسوئی کے ساتھ لگے رہیے، اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو ضائع نہیں فرماتا، روزی ہر شخص کی مقرر ہے۔ ان شاء اللہ۔ مقدر مل کر رہے گا، آدمی چاہے کتنا ہی ہاتھ پیر مار لے، تقدیر سے بڑھ کر نہیں پا سکتا۔

دوستو! دین کی حفاظت اور دین کا کام مل جانا، بہت بڑی نعمت ہے، اس نعمت سے ہم لوگ غافل ہیں، اسی غفلت کی وجہ سے ہم لوگ شکر کم کرتے ہیں، آپ اور ہم کھانے پینے کی چیزوں کو نعمت سمجھتے ہیں؛ لیکن دین و ایمان کا نعمت ہونا بہت کم لوگوں کو معلوم ہے، پہلے زمانے میں لوگ ایک مرتبہ اللہ کا نام لینے کی توفیق کو دنیا و مافیہا سے بہتر سمجھتے تھے، حدیث شریف میں ہے:

خیر کم من تعلم القرآن و علمہ.

تم میں سب سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے۔

اخلاص

امام ابوداؤدؒ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے پانچ حدیثیں منتخب کی ہیں، ان میں سے ایک حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' ہے، یعنی سارے اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، اس لیے اپنی نیت کو درست کرلینی چاہئے، اس کام سے صرف اللہ کی رضاجوئی مقصود ہو، کسی اورغرض سے دین کا کام نہ کریں، اس کو دنیا کمانے اور پیٹ پالنے کا ذریعہ نہ بنائیں، اخلاص بہت بڑی دولت ہے، اس کی برکت سے اعمال قبول ہوتے ہیں، ان میں جان آجاتی ہے، ان میں زبان آجاتی ہے۔

استغنا ویکسوئی

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ کو حیدرآباد بلایا گیا تھا، حضرت اس وقت سہارن پور میں تھے، اس وقت سہارن پور میں حضرت کی تنخواہ کچھ بیس پچیس روپئے ہوگی، حیدرآباد میں رہنے کے لیے ماہانہ بارہ سو روپئے، گاڑی اور بنگلہ پیش کیا گیا، حضرت نے اس وقیع پیش کش کو۔ جو اس زمانے میں کسی کسی کو مقدر سے ہاتھ آتی تھی۔ مسترد فرمادیا اور فرمایا: میں اپنے حضرت (یعنی مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ) کو اور اپنے مدرسے کو (یعنی مظاہر العلوم) کو نہیں چھوڑ سکتا۔

میں ابھی مدینہ منورہ میں تھا، وہاں کے لوگوں نے کہا کہ ہم اقامہ دلادیں گے اور فلاں فلاں سہولت بھی دیں گے؛ مگر میں نے یہی سوچ کر انکار کردیا کہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی کے مدرسہ ''اشرف المدارس'' ہردوئی میں برسوں سے پڑھاتا ہوں، چھٹی لے کر گیا تھا، اگر وہیں رہ جاؤں، تو حضرت ہردوئیؒ کیا سمجھیں گے؟ مدرسے سے کس قدر بے وفائی ہوگی؟ کتنی انتظامی دشواری پیش آئے گی؟ یہی سوچ کر میں نے ان حضرات سے معذرت کردی، ورنہ بتائیے مدینہ منورہ میں رہنے کا موقع مل جائے، تو کون نہیں رہنا چاہتا؟ لوگ ہزاروں ریال خرچ کررہے ہیں، برسوں سے تمنا کررہے ہیں؛ مگر موقع نہیں ملتا۔

تادیب میں احتیاط

بچوں کو جس طرح چاہے، پٹائی نہیں کرنی چاہئے؛ کیوں کہ اب قوی کمزور ہو گئے ہیں، بچوں میں تحمل نہیں رہا، ایک آدھ چھڑی لگادی، تو الگ بات ہے؛ مگر ان پر غصہ نہیں نکالنا چاہئے، آج کل یہ مرض عام ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بھی حساب ہوگا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کو ایک صاحب نے خط لکھا کہ بچوں کو بہت مارتا ہوں، حضرت نے جواب لکھ دیا: قیامت کا انتظار کرو، کیا مطلب؟ قیامت کے دن حساب دینا پڑے گا، اس کی نافرمانی اور تمہاری سزا دونوں تولے جائیں گے اور انصاف کیا جائے گا، اس لیے بہت ڈرنے کا مقام ہے۔

دعا کا اہتمام

طلبہ اور اپنے لیے گڑگڑا کر دعا کا اہتمام کرنا چاہئے، یہ بھی سنت ہے، لوگ اس سنت سے غافل ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ''ابتہال'' بھی ہے، یعنی گڑگڑانا، اس سے بہت سے کام نکلتے ہیں اور کچھ نہیں تو دل کو سکون ہی مل جاتا ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے؟

توکل اور اعتماد

بھائیو! دین کو مقصد بناؤ، دنیا کو مقصود نہ بناؤ، جو مقدر کا ہے، وہ مل کر رہے گا اور جو مقدر نہیں ہے، وہ تم چاہے کچھ بھی کرلو، ملنے والا نہیں ہے۔

شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دین کی مثال پرندہ کی سی ہے اور دنیا کی مثال سایہ جیسی، پرندہ کو پکڑو گے، تو سایہ خود بخود آجائے گا اور سایہ کے پیچھے پڑو گے، تو نہ وہ ملے گا، نہ یہ۔

معاملات کی صفائی

ایک بات آپ حضرات سے عرض کرنی ہے کہ اپنے معاملات درست رکھیں، آپ کے معاملات درست نہ ہوں گے، تو آپ دوسروں کو دین کیا سکھائیں گے؟ مگر آج لوگ

دین بھی نہیں سمجھتے ،نماز روزہ ادا کر رہے ہیں ؛مگر معاملات غیر شرعی ہیں، معاملہ خلافِ سنت ہیں۔

امام محمدؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اتنی ساری کتابیں لکھیں ؛مگر تصوف پر کوئی کتاب نہیں لکھی ؟فرمایا: میں نے کتاب البیوع لکھ دی ہے جس کے معاملات درست ہوں گے،وہ سب سے بڑا صوفی ہے ،معاملات کی درستگی سے بڑی برکت ہوتی ہے، آمدنی اگر صحیح ہو،تو تھوڑے میں بھی کام نکل جاتا ہے، برکت کے معنی یہ نہیں کہ ایک ہزار کے دو ہزار ہو جائیں ؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تھوڑے میں بھی کام نکل جائے۔

حکمتِ عملی کا لحاظ

اسی طرح یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ طلبہ کو افہام وتفہیم اور نصیحت موقع محل دیکھ کر کریں،بعض مرتبہ یہ سلیقہ نہ ہونے کی وجہ سے اچھی بات بھی ضائع ہو جاتی ہے اور نفع کے بجائے نقصان ہو جاتا ہے، نصیحت کو یوں سمجھئے جیسے انجکشن دینا، سیکھے بغیر انجکشن نہیں دے سکتے اور ہر جگہ نہیں دے سکتے ،بس یہی حال نصیحت کا ہے ، کہاں کی جائے ؟اور کہاں نہیں؟ کیا کیا جائے اور کیا نہیں؟ کس طرح کی جائے اور کس طرح نہیں؟ سب سیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

خدمتِ خلق

ایک بات یہ ہے کہ ہمیں کبھی کبھی اپنے چھوٹوں اور عوام الناس کی خدمت بھی کر دینی چاہئے ،اس سے ایک طرف نفس کا علاج ہو جاتا ہے ،دوسری طرف سامنے والا متاثر و مانوس ہوتا ہے، جب ہماری ذات سے متاثر ہوگا،تو ہماری بات کا اثر بھی لے گا۔

حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک یہودی بچہ ہے، اس کے پاس برتن میں پانی بھرا ہوا ہے، ؛مگر وزن اس قدر ہے کہ لے کر جا نہیں سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی سے بھرا ہوا برتن اٹھا کر اس کے گھر پہنچا دیا اور چلے گئے ، جب اس کے باپ نے دیکھا کہ بچہ اتنا بڑا برتن لے آیا ہے، تو حیرت سے پوچھا، کیسے لے آیا؟ اس نے بتلایا کہ کوئی صاحب پہنچا گئے ہیں ،اس پر بڑا اثر ہوا اور سوچا کہ کون آدمی ہے جو اس

قدر مخلص اوراخلاق والا ہے، باہر جا کر دیکھا، تو معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، فوراً پکارا ٹھا کہ ''ماھذا الا شفقۃ الانبیاء والمرسلین'' یہ تو انبیاء ومرسلین ہی کی شفقت ہوسکتی ہے۔

اپنی اصلاح کی فکر

اسی طرح ہم لوگوں میں ایک غفلت عام ہوگئی ہے کہ ذرا پڑھنا لکھنا شروع کیا، امام بن گئے اور کچھ کام شروع کیا، تو بس اپنے آپ کو کامل سمجھ بیٹھے، ایسا نہیں ہونا چاہئے ؛ بلکہ ہر وقت اپنی اصلاح وتربیت کی فکر میں لگے رہیں، پہلے زمانے میں لوگ جب تک کامل نہ ہوجاتے، دین کی خدمت میں نہیں لگتے تھے ؛لیکن آج کے حالات ایسے نہیں ہیں، اس لیے کام کے ساتھ ساتھ اصلاح کی بھی فکر کرتے رہیں، مایوس نہ ہوں، ایک دن کامیاب ہوجائیں گے۔

خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

نہ چت کرسکے نفس کے پہلوان کو تو یوں ہاتھ پیر بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے تو ہے کشتی عمر بھر کی کبھی وہ دبالے کبھی تو دبالے

اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ فرصتِ عمر کو غنیمت سمجھ لے، زندگی پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرے، نہ معلوم کب یہ نعمت ختم ہوجائے اور کب آدمی عمل سے روک دیا جائے۔

حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانیؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کو لکھا کہ کوئی خاص نصیحت جو نافع سلوک ہو، تحریر فرمادیجئے ،اس کے جواب میں حضرت نے لکھا: اس بات کا استحضار ہو کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ جب کسی کام سے فارغ ہوتے، تو فرماتے: اے اللہ تیرا شکر ہے کہ اسبابِ ہلاکت سے ہم بچ گئے۔

ان چند باتوں کو یادرکھ لیجئے اور عمل کرتے رہئے۔ان شاءاللہ۔ دنیا وآخرت کا بھلا ہوگا، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسنِ نیت ،حسنِ عمل اور حسنِ خاتمہ کی دولت سے سرفراز فرمائے۔آمین

دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے
پر نہیں ؟ طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

مدارس میں دین پڑھا رہے ہیں سکھا نہیں رہے ہیں

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
صدر دارالعلوم کراچی

الحمدللہ کفی و سلام علی عبادہ الذین الصطفی، اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم،

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. (سوۃ آل عمران: ۱۶۴)

حضرات اساتذہ اکرام، برداران عزیز، میری ماؤں بہنوں اور بیٹیوں!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ ہمارے دینی مدارس میں تعلیم بنسبت سرکاری تعلیمی اداروں کے بدرجہا بہتر ہے، ان کے ہاں تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے، تعلیم تو ہمارے دینی مدرسوں میں ہورہی ہے، الحمدللہ، اساتذہ بھی محنت کرتے ہیں، طلبہ بھی محنت کرتے ہیں، الحمدللہ ہمارے مدارس میں جو معیاری مدرسے ہیں، ان میں تعلیم اچھی خاصی ہورہی ہے، اس کو مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے، بہت کچھ اصلاحات اور اضافوں کی ضرورت ہے، وہ سب باتیں آتیں رہتی ہیں، وفاق میں بھی زیر غور آتی ہیں اور ان محاضرات میں بھی آئی ہوں گی؛ لیکن جس چیز کا میں بڑا خلا محسوس کررہا ہوں اور اس کی وجہ سے بہت تشویش ہے، وہ یہ ہے کہ ہم اپنے مدارس میں دین پڑھا رہے ہیں، سکھا نہیں رہے، یہ بہت بڑا المیہ ہے۔

ہمارے دادا حضرت مولانا محمد یاسین صاحبؒ جو دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے، حضرت گنگوہیؒ کے عاشق زار اور مرید خاص تھے، حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ

کے ہم سبق تھے اور دونوں نے دورۂ حدیث بھی ایک ساتھ پڑھا ہے، ان کا ایک ملفوظ میں نے اپنے والد سے بار بار سنا ہے

''میں نے دارالعلوم دیو بند کا وہ دور دیکھا ہے کہ جب یہاں کے صدر مدرس اور مہتمم سے لے کر چپراسی اور دربان تک سب صاحبِ نسبت ولی ہوتے تھے، میں نے والد صاحبؒ سے یہ بات بھی سنی ہے کہ'' دارالعلوم دیو بند دن میں درس گاہ ہوتا اور رات کو خانقاہ بن جاتا تھا''

تعلیم کے ساتھ تربیت ضروری

تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ایک لازمی حصہ تھی، ہر استاذ اپنی ضرورت سمجھ کر اس کا اہتمام کرتا تھا اور طلبہ بھی اس کی کوشش میں لگتے تھے، دیو بند کے علماء اور بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے اتباعِ سنت کا خاص ذوق عطاء فرمایا تھا، انہوں نے اس بات کو سمجھا تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں:

یَتۡلُو عَلَیۡھِمۡ آیَاتِهٖ وَیُزَکِّیۡھِمۡ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتَابَ وَالۡحِکۡمَةَ.

ان میں سے تین چیزیں تعلیم سے متعلق ہیں (۱) تلاوتِ آیات یعنی تعلیمِ الفاظِ قرآن جو قرآنی مکاتب میں تعلیم ہو رہی ہے (۲) تعلیمِ کتاب یعنی قرآن کے معانی کی تعلیم، دینی مدارس کے درسِ نظامی میں شامل ہے (۳) والحکمۃ جمہور کے نزدیک حکمت سے سنت مراد ہے، سنت کی تعلیم بڑے مدارس میں ہو رہی ہے، بعثت کے چار مقاصد میں الفاظِ قرآن کی تعلیم، معانئ قرآن کی تعلیم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، تین کام تعلیم ہی سے متعلق ہیں۔

تعلیم کے ساتھ تربیت رسول اللہ۔صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔کا فرضِ منصبی

(۴) چوتھی چیز کا تعلق تربیت سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو برے عقائد، برے اعمال اور برے اخلاق سے پاک کرتے ہیں، تعلیم کے ساتھ تربیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضِ منصبی قرار دیا گیا ہے، علمائے کرام ورثۃ الانبیاء ہیں اور وارث کا حصہ مورث کے ایک ایک پرزے اور ایک ایک سوئی تک میں ہوتا ہے، مورث

نے جو کچھ ترکہ چھوڑا ہے، اس کے ذرے ذرے میں، اگر اس نے کوئی دوا بھی چھوڑی ہے، تو وہ بھی مشترک ہے، وارث کا حصّہ ہے۔

تعلیم انبیائے کرام علیہم السلام کی میراث ہے جو علماء کو ملی ہے، تربیت بھی میراث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی، جس طرح ہمارا فرضِ منصبی تعلیم ہے، تربیت بھی ہے اور بزرگانِ دیوبند نے اس حقیقت کو سمجھا تھا، اس لیے وہاں تعلیم وتربیت دونوں ہورہی تھی اور اس کا حال آپ نے دیکھا، سب صاحبِ نسبت ہوتے تھے، جب اساتذہ ایسے تھے، تو طلبہ تو ان کو دیکھ کر ہی سیکھیں گے، خوب سمجھ لیجیے، تربیت تقریروں سے نہیں ہوسکتی، وعظ و نصیحت سے نہیں ہوسکتی، کتابوں اور مضامین سے نہیں ہوسکتی، محاضرات سے نہیں ہوسکتی، تربیت تو عملی طور پر مشق کرانے سے ہوتی ہے۔

عمل کو دیکھ کر عمل سیکھا جاتا ہے

ہم اور آپ نے نماز پڑھنا سیکھا ہے، بتائیے کتابوں سے سیکھا ہے؟ یا اپنے بزرگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر، یا مسجد میں نمازیوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر سیکھا ہے؟ آپ غور فرمائیے: ہم میں سے کسی نے صرف کتاب پڑھ کر نماز سیکھی ہے؟ کتاب سے ہمیں مسائل کی تفصیل جاننے کے لیے مدد تو ضرور ملے گی؛ مگر رکوع کس طرح ہوگا؟ سجدہ کس طرح ہوگا؟ قیام وقومہ کس طرح ہوگا؟ قعدہ کس طرح ہوگا؟ یہ سب باتیں ہم نے عملی طور پر دیکھنے سے سیکھی ہیں، کتاب سے تعلیم تو ہوتی ہے، تربیت نہیں ہوتی، تربیت کے لیے تربیت کرنی پڑتی ہے، آج بھی اسکولوں اور کالجوں میں سائنس کی تھیوری پڑھائی جاتی ہے، اس کے بعد لیب میں اس کی ٹریننگ کرائی جاتی ہے، ہمارے مدرسے۔ افسوس صد افسوس ہے۔ موجودہ احوال میں تربیت سے تقریباً خالی ہو گئے ہیں۔

جن مدرسوں میں اچھی معیاری تعلیم ہورہی ہے، وہاں بھی تربیت کا تقریباً فقدان ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے طلبہ کی تعداد زیادہ ہے، علماء اور مدرسوں کی تعداد زیادہ ہے، اس کے باوجود معاشرے پر علماء کے اثرات، علماء کی گرفت روز بروز کمزور اور ڈھیلی ہوتی جارہی ہے اور معاشرہ متاثر نہیں ہورہا، معاشرہ علماء سے رہنمائی نہیں لے رہا، گنے

چنے معتقدین ہیں، ایک چھوٹی سی جماعت ہے جو ہمارے ساتھ دینی کاموں میں لگی ہوئی ہے، ہمیں اس پر مطمئن نہیں ہونا چاہئے کہ ہاتھ چومنے والے بہت سارے ہیں ، معاشرے کا اکثر حصہ ہم سے متاثر نہیں ہو رہا ہے؛ کیوں کہ ہمارا عملی نمونہ صحیح نہیں ہے، ہمارے طلبہ کا طرزِ زندگی قابل اطمینان، قابل اقتداء نہیں ہے اور یہی طلبہ کچھ عرصہ بعد عالم بن جاتے ہیں، ان کا طرزِ عمل ایسا نہیں ہے جو دوسروں کو متاثر کر سکے۔

دنیوی امور بھی دیکھ کر ہی سیکھے جاتے ہیں

گاڑی چلانے کی ٹریننگ آپ نے دیکھی ہے، بتلایئے کہ اگر گاڑی چلانے کا مکمل طریقہ کسی کتاب میں لکھ دیا جائے اور تصویریں بنا بنا کر دکھا دیا جائے کہ یہ کلچ ہے، یہ اسٹاٹر ہے، یہ اسٹیرنگ ہے، یہ بریک ہے، یہ فلاں ہے، پہلے یوں ہوگا، پھر یوں ہوگا، کون سا گیر کس طریقے سے کب بدلا جائے گا اور کس طریقے سے ہوگا؟ آپ کو کتاب میں مکمل طریقہ پڑھا دیا جائے اور سمجھا دیا جائے، پھر حفظ بھی کروا دیا جائے، امتحان بھی لیا جائے اور اس کے اندر آپ کو پہلی پوزیشن بھی مل جائے؛ لیکن آپ سے کہا جائے کہ گاڑی چلایئے۔

اگر آپ نے پہلے گاڑی نہیں چلائی ہے، تو میں آپ کی گاڑی میں بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوں گا، اگر بیمہ بھی کرا رکھا ہو، تب بھی نہیں بیٹھوں گا؛ کیوں کہ آپ نے گاڑی چلانا پڑھا ہے، سیکھا نہیں ہے۔

بالکل یہی حالت ہماری ہے، الحمد للہ علم ہمارے پاس محفوظ ہے، احادیث اور قرآن کی تفاسیر جو بزرگوں سے چلی آ رہی ہیں، پندرہ سو سال سے تقریباً ہمارے پاس محفوظ ہیں؛ لیکن عمل نہیں رہا، علم پر عمل کا طریقہ نہیں رہا، لوگ ہمارے اوپر اسی وجہ سے اعتماد نہیں کرتے، وہ جانتے ہیں کہ ان کے پاس کتاب بہت اچھی ہے، بالکل برحق ہے؛ لیکن یہ خود عمل نہیں کرتے۔

یہ بات میں بہت دکھے ہوئے دل سے کہہ رہا ہوں، چھوٹی چھوٹی باتیں جو ہمارے یہاں ماں باپ بچوں کو سکھا دیتے ہیں، گود میں بچہ سیکھنا شروع کر دیتا تھا، جب ناظرہ

قرآن پڑھنے مدرسہ آتا تھا، تو وہاں اس کی مزید تربیت ہوجاتی تھی اور اساتذہ مکتب میں سکھا دیتے تھے، یہاں تک کی تعلیم و تربیت ہمارے طلبہ کے پاس نہیں رہی اور اوپر بڑے درجات میں پہنچنے کے بعد تربیت کا فقدان مزید بڑھ جاتا ہے۔

اساتذہ کتاب کے پڑھانے میں بہت زور لگاتے ہیں، دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں؛ لیکن اس پر نظر نہیں رکھی جاتی کہ دین پر عمل کتنا ہورہا ہے، اماطۃ الاذی عن الطریق کی حدیث تو سنائیں گے، افشاء السلام کی حدیث بھی سنائیں گے؛ لیکن عمل نہیں ہورہا ہے۔

ہمارے بزرگوں کا طریقہ

حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ صاحب دارالعلوم دیوبند میں ہمارے والد صاحب کے استاذ تھے، میں نے بار بار الحمدللہ ان کی زیارت کی ہے، ان کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ ان کو ابتدا بالسلام کوئی کر نہیں سکتا تھا، طلبہ طے کر کے نکلتے تھے کہ آج ہم ابتدا بالسلام کریں گے؛ لیکن وہ موقع نہیں دیتے تھے، جہاں نظر پڑی فوراً السلام علیکم، نظر پڑی السلام علیکم، طالب علم مل رہے ہیں، بچے مل رہے ہیں، چھوٹا مل رہا ہے، بڑا مل رہا ہے، السلام علیکم یہ ہمارے ان بزرگوں کا طریقہ تھا۔

اب ہمارے یہاں مصافحہ بازی کا تو بڑا زور ہے، مصافحہ کے لیے تو کہنی بھی ماریں گے، دھکے بھی دیں گے اور جس سے مصافحہ کیا جارہا ہے، اس کے پاس مصافحے کا وقت بھی نہ ہو، تب بھی مصافحہ کریں گے؛ لیکن ابتدا بالسلام کا اہتمام نہیں ہے، اگر ہم طالب علم کو سلام کرلیں، تو وہ جواب نہیں دیتے، اچھا ایک بات اور بھی ہے، ہم طالب علم کو سلام کرتے ہیں، تو شاید وہ شرماتا ہے کہ ابتدا بالسلام تو مجھے کرنی چاہئے تھی؛ مگر استاذ نے ابتدا کردی، اس لیے شرم کے مارے جواب نہیں دیتے، میں اس پر مواخذہ کرتا ہوں کہ تم نے میرے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے تمہارا کیا قصور کیا تھا؟

ایک صحابی (حضرت عمرؓ) نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سلام کیا، وہ اس وقت کسی غور وفکر میں تھے، سلام کرنے والے نے سمجھا کہ یہ مجھے دیکھ رہے ہیں؛ حالاں کہ وہ اس وقت غور وفکر میں تھے، انھوں نے سلام کو سنا نہیں، وہ جو دیکھ رہے تھے در حقیقت دھیان

ان کا کسی اور طرف تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب نہیں دیا، انہوں نے امیر المومنین سے شکایت کی اور کہا کہ میں نے عثمانؓ کو سلام کیا اور وہ مجھے دیکھ رہے تھے؛ لیکن انہوں نے مجھے سلام کا جواب نہیں دیا، امیر المومنین نے حضرت عثمانؓ کو طلب کر لیا کہ انہوں نے سلام کیا تھا، تم نے جواب کیوں نہیں دیا؟ انہوں نے کہا: مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا کہ انہوں نے مجھے سلام کیا۔

اگر میں کسی طالبِ علم کو سلام کرتا ہوں اور وہ جواب نہیں دیتا، تو میں اس سے مواخذہ کرتا ہوں کہ تم نے جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے تمہارا کیا قصور کیا؟ تم پر میرا حق ہے کہ تم میرے سلام کا جواب دو۔

طلبہ کی حالت زار اور تربیت کا فقدان

اب طلبہ مصافحہ تو کریں گے، نہ سلام کریں گے نہ سلام کا جواب دیں گے، یہ ہمارے مدرسوں میں ہو رہا ہے، کہنیاں مار مار کر بزرگوں سے مصافحہ کریں گے، دھکے دے دے کر مصافحہ کریں گے اور جب تک مصافحہ نہ کرلیں ان بزرگوں کے آنے جانے کا راستہ بند کر دیں گے، یہ عوام کی باتیں نہیں کر رہا ہوں، مدرسوں کے طلبہ کی بات کر رہا ہوں۔

دار العلوم کراچی میں ایک افغانی طالب علم تھے، گزشتہ سال فارغ ہوئے، ایک جگہ تمام مدارس کے ممتحنین جمع تھے، ممتحن حضرات کریم ہوتے ہیں، وفاق المدارس کے امتحانات میں پورے ملک کے طلبہ کے نمبر لگاتے ہیں، ان ممتحن حضرات کا کئی دن اجتماع رہا، وہ افغانی طالب علم مجھ سے کہنے لگا کہ حضرت مجھے ان حضرات کو دیکھ کر بڑا افسوس ہوا، ان میں سے بعض حضرات تو نمازی کے سامنے سے گزر جاتے ہیں اور بعض تخطی رقاب کر کے گردنوں کو پھلانگ کر آگے بڑھتے ہیں اور بعض سنتیں پڑھنے کے لیے سب سے پچھلی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں، آگے جگہ خالی پڑی ہوئی ہے، پیچھے کھڑے ہوئے ہیں، سنتیں پڑھ رہے ہیں، نفلیں پڑھ رہے ہیں، آگے والوں کا راستہ روک دیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کوئی تربیت ہی نہیں ہوئی اور یہ کون کہہ رہا تھا؟ طالب علم! خوف ناک بات ہے۔

طلبہ مصافحہ کے آداب سے ناواقف

آج معاشرے میں ہماری بات کی شنوائی نہیں ہے، ہماری بات کا اثر نہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگ جانتے ہیں کہ ان کو تہذیب وشائستگی تک نہیں، مصافحہ کے آداب نہیں آتے۔

اگر کسی سے مصافحہ کرو، تو بھائی فرصت بھی دیکھو، دوسرے آدمی کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، یا ہاتھ میں سامان ہے اور وہ مصافحہ کے لیے زور لگائیں کہ مصافحہ کرو، مطلب یہ کہ سارے سامان کو تم کسی جگہ رکھو اور پھر مصافحہ کرو۔

یہ باتیں ہمارے مدارس کے طلبہ کو نہیں سکھائی جارہی ہیں، جن سے مصافحہ کرنا ہے، ان کے برابر میں آکر بیٹھ جائیں گے، وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کو مصافحہ کرنا ہے، ایک اِدھر بیٹھا ہے، ایک اُدھر بیٹھا ہے، کراماً کاتبین! اب اس فکر میں ہیں کہ جیسے ہی یہ سلام پھیرے گا، فوراً سلام اور مصافحہ کریں گے، سلام کریں نہ کریں، مصافحہ تو فوراً ہی کریں گے، اس نے رعایت کی کہ پہلا سلام پھیرنے پر مصافحہ نہیں کیا، جب دوسرا سلام پھیرا، ابھی سلام پورا بھی نہیں ہوا کہ اس نے السلام علیکم کہا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

عام طور پر میں جب تک سلام نہ پھیرلوں، سلام اور مصافحہ نہیں کرتا؛ لیکن ایک دن میں نے سلام بھی پھیر دیا اور ایک طالبِ علم نے سلام کیا، تو میں نے اس کا جواب بھی دے دیا اور مصافحہ بھی کرلیا، اب یاد آیا کہ میرے ذمے سجدۂ سہو تھا، چار رکعت والی نماز تھی، اس طرح طلبہ ستاتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ نے آدابِ معاشرت میں لکھا ہے: اگر کسی سے آپ کو بات کرنی ہے اور وہ نماز پڑھ رہا ہے، تو ایسی جگہ بیٹھو کہ نماز پڑھنے والے کو پتہ ہی نہ چلے کہ آپ اس انتظار میں ہیں، ورنہ اس کے دل میں تشویش پیدا ہوگی، پتہ نہیں کیا ایمرجنسی کی خبر لے کر آیا ہے، کیوں آیا ہے؟ کیا بات ہے؟ یہ سب باتیں سیکھنے اور سکھانے کی ہوتی ہیں؛ لیکن ہمارے مدرسوں میں ان چیزوں کو نہیں سکھایا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس طرف توجہ کرنے کی توفیق دے، یہ لمحۂ فکریہ ہے اور اس کو کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے مدارس عقیم و بانجھ ہو چکے ہیں

آج سے تقریباً پینتیس سال (۳۵) سال پہلے ہمارے والد صاحبؒ کا انتقال ہوا، اس زمانے میں وہ فرماتے تھے، تیس سال سے ہمارے مدارس عقیم و بانجھ ہو چکے ہیں، ان میں اب کوئی مولوی پیدا نہیں ہو رہا ہے، علامہ پیدا ہوتے ہیں، مولانا بھی پیدا ہوتے ہیں، طرح طرح کے القاب والے لوگ بھی پیدا ہوتے ہیں، مولوی پیدا نہیں ہوتا، ''مولوی'' اس میں ''ی'' نسبت کی ہے، مولا کی طرف، مولوِیؒ ہے، مولی والا، اللہ والا۔ جیسے حضرت مولوی معنوی:

علم ِمولا ہو جسے، ہے مولوی　　　جیسے حضرت !مولوئ معنوی

حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مدرسوں میں مولوی پیدا نہیں ہو رہے ہیں، علامہ پیدا ہو جاتے ہیں؛ لیکن اللہ والے پیدا نہیں ہو رہے ہیں، جو صاحبِ نسبت اولیاء اللہ ہوتے تھے، جو دیوبند سے پیدا ہوا کرتے تھے، ہمارے مدرسوں سے پیدا نہیں ہو رہے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے: اگر میرے اس دار العلوم سے دار العلوم کی پوری زندگی میں ایک مولوی بھی پیدا ہو گیا، تو میں سمجھوں گا کہ دار العلوم کی قیمت ادا ہو گئی، بہر حال علامہ اور مولانا بننے سے پہلے مولوی بننے کی فکر کی جائے۔

سچی بات یہ ہے کہ پہلے تو خود کو بنائیے، جب تک خود کو بنایا نہیں جائے گا، طلبہ کو آپ نہیں بنا سکتے، اپنی تعمیر کیجیۓ، طلبہ کی تعمیر خود بخود ہو جائے گی، آپ کے ذریعے آپ کے طرزِ زندگی کو دیکھ کر ہو جائے گی۔

لفظ سنت کے مفہوم کو محدود کر دیا گیا

الحمد للہ اتباعِ سنت کی ترغیب بہت دی جاتی ہے کہ سنت کی پیروی کرنی چاہیۓ؛ لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ سنت کا لفظ اور مفہوم اتنا محدود کر لیا گیا کہ چند سنتوں پر عمل کرنے والے کو متبعِ سنت سمجھا جاتا ہے، جاہلوں نے تو یہاں تک کر دیا کہ کسی کی ڈاڑھی ہے، تو اس کو باشرع کہتے ہیں اور ڈاڑھی نہیں رکھی، تو بے شرع ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ساری شریعت سمٹ کر ڈاڑھی میں آگئی، اگر کسی نے ڈارھی رکھ لی ہے، تو وہ باشرع ہو گیا، چاہے وہ سود کھاتا ہو، جھوٹ بولتا ہو، دھوکہ بازیاں کرتا ہو، بد اخلاقیاں کرتا ہوں، حرام کھاتا ہو؛ مگر چوں کہ ڈاڑھی رکھ لی ہے، تو باشرع ہے، یہ عوامی اصطلاح کی باتیں کر رہا ہوں، الحمد للہ یہ جہالت کی باتیں ہمارے مدرسوں میں نہیں ہیں، عوام کے نزدیک ڈاڑھی کے اندر سارا دین سمیٹ کر آ گیا، ڈاڑھی رکھ لی، تو وہ چور بھی ہوگا، تو باشرع ہے، ڈاکو ہوگا، تب بھی باشرع ہے۔ العیاذ باللہ۔ یہ عوام کی بات ہے۔

ہمارے دینی مدرسوں میں جب اتباع سنت کی بات آتی ہے، تو چند چیزیں ذہنوں میں آجاتی ہیں، سنت کے مطابق ڈاڑھی رکھی ہوگی، ٹخنوں سے اونچا پاجامہ ہوگا، مسجد میں داخل ہوتے وقت دائیں پاؤں پہلے رکھیں گے، واپسی میں اس کے برعکس ہوگا، اسی طرح کھانا کھاتے ہوئے بسم اللہ پڑھ لی، سر پر ٹوپی اوڑھ لی، چند سنتیں ہیں، ان پر عمل کرلیا، تو وہ متبع سنت ہے، سنت پر عمل ہو رہا ہے، سلام کرلیا، سلام کا جواب دے دیا۔

سنتِ رسول اللہ طریقۂ زندگی کا نام

سنتِ رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ طریقۂ زندگی کا نام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طریقۂ زندگی کیا تھا؟ آپ گھر میں کس طرح اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پیش آتے تھے؟ پڑوسیوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیا تھا؟ آپ کے کھانے پینے کا انداز کیا تھا؟ کس طرح کھاتے تھے؟ کس طرح پیتے تھے؟ کس طرح چلتے تھے؟ کس طرح بولتے تھے؟ کس طرح پہنتے تھے؟ دوستوں کے ساتھ کس طرح پیش آتے تھے؟ دشمنوں کے ساتھ کس طرح پیش آتے تھے؟ بچوں سے کس طرح شفقت فرماتے تھے، عورتوں کی دل داری کس طرح فرماتے تھے؟ جہاد کس طرح فرماتے تھے؟ عبادت کس طرح فرماتے تھے؟ انتظامِ حکومت کس طرح چلاتے تھے؟ تجارت کس طرح کی تھی؟ جب بکریاں چراتے تھے، اس وقت آپ کا طریقۂ زندگی کیا تھا؟ اس پورے طرزِ زندگی کا نام سنتِ رسول اللہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

ہمارے یہاں سنت کو بعض چیزوں پر عمل کرنے میں منحصر کر دیا۔ مثلاً **إماطة الأذى عن الطريق** کی سنت پر ہمارے مدرسوں میں عمل ہی نہیں ہو رہا ہے، آپ نے پڑھا

ہے: الایمان بضع وسبعون شعبۃ، ایمان کے ستّر سے زیادہ شعبے ہیں:

أفضلها لا إله إلا اللّٰہ و أن محمداً رسول اللّٰہ، وادنھا اماطۃ الاذی، الحیاء شعبۃ من الایمان.

آج اس پر ہمارا عمل نہیں ہو رہا ہے اور اس پر کوئی آواز نہیں اٹھاتا، اتنے بڑے پیمانے پر یہ منکر پھیل رہا ہے۔

میں نے خود دارالعلوم (کراچی) میں تجربہ کیا ہے، قدیم دارالحدیث کے پاس ایک بلاک پڑا ہوا تھا اور نظر آتا تھا کہ آدمی اس سے بچ کر چلے، تو ٹھوکر نہیں کھائے گا، اگر اندھیرے میں آئے، تو ٹھوکر کھا سکتا ہے، میں نے سوچا کہ اس کو ہٹاؤں، پھر میں نے سوچا کہ آج نہیں ہٹاؤں گا، دیکھوں، اس کو کوئی ہٹاتا ہے، یا نہیں؟ میں اپنے ہی لوگوں کی چغلی کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے۔ میں دکھے دل سے کہہ رہا ہوں، ایک مہینہ گزر گیا، اس بلاک کو کسی نے نہیں ہٹایا جو بے جگہ پڑا ہوا تھا، پھر میں نے ان لوگوں سے درخواست کی، یہ ہمارے مدرسوں کا مزاج بن رہا ہے۔

خواتین کی تربیت

خواتین کی تعلیم بھی الحمدللہ ہو رہی ہے؛ لیکن تربیت کا فقدان وہاں بھی نظر آتا ہے، عام طور سے معلمات کو ایک بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری طالبات میں ایک مزاج بن رہا ہے جس کی لوگ شکایت کرتے ہیں، میں نے بھی بعض جگہوں پر ایسا محسوس کیا ہے کہ ہماری طالبات کے مزاج میں علم دین حاصل کر کے کچھ بڑائی پیدا ہو جاتی ہے، ان کا ذہن یہ بن جاتا ہے کہ ہم عالمات ہیں، اس کے بعد اپنے خاندان کی دوسری عورتوں کو وہ ادنی سمجھنے لگتی ہیں، بہن بھائیوں کے ساتھ ان کا وہ انداز نہیں رہتا جو پہلے زمانے میں ہوا کرتا تھا، سسرال میں جا کر شوہر کے ساتھ اور سسرال کے ساتھ انکساری، تواضع اور خدمت گذاری جو ہماری مشرقی خواتین اور مسلم خواتین کا ایک لازمی حصہ ہے کہ اپنے شوہر کی خدمت گذار ہوتی ہیں، اپنے شوہر کے رشتہ داروں کی عزت بھی کرتی ہیں حتی الامکان ان کی راحت رسانی کی کوشش بھی کرتی ہیں، اپنے بہن بھائیوں

کے ساتھ، اپنے ماں باپ کے ساتھ ان کی خدمت گذاری معروف ہے، ہماری بچیاں اپنے ماں باپ کی کتنی خدمت کرتی ہیں؟

لیکن ہمیں اطلاعات کچھ ایسی مل رہی ہیں کہ عالمہ بننے کے بعد، یا عالمہ بننے کے زمانے ہی میں ان کے مزاج میں بڑائی پیدا ہوجاتی ہے اور پہلے جیسی خدمت گذاری ان کے ماں باپ کے ساتھ نہیں رہتی، پہلے جیسا طرزِ عمل اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ نہیں رہتا، شادی ہونے کے بعد جب سسرال جاتی ہیں، تو وہاں شوہر اگر عالم نہیں ہے، تو اس پر حکومت چلاتی ہیں اور اس کو حقیر سمجھتی ہیں، ان چیزوں کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

ان معلمات سے میری درخواست ہے کہ اپنی طالبات میں تواضع، انکساری اور خدمت گذاری کے جذبات ہماری مشرقی خواتین کے امتیاز ہیں اور مسلم خواتین کے امتیاز ہیں، اس کو زندہ رکھیں، اس کو کمزور ہونے نہ دیں۔

ہماری عورتیں امت کا قیمتی اثاثہ

ہماری عورتیں امت کا قیمتی اثاثہ ہیں، ہماری مشرقی خواتین اپنے شوہروں کے ساتھ کتنے ایثار سے کام لیتی ہیں، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ، سسرال میں بھی اس ایثار کی حفاظت کرنی ہے، اس کو باقی رکھنا ہے، اگرچہ سسرال والوں کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنی بہو سے خدمت لیں، ساس سسر کو کوئی حق نہیں ہے کہ زبردستی بہو سے خدمت لیں؛ لیکن بہو کی قابلِ تعریف بات یہ ہے کہ وہ دیکھے کہ میرے شوہر کے ماں باپ ہیں، جب یہ میرے شوہر کے ماں باپ ہیں، تو میرے لیے بھی ماں باپ کی طرح ہیں، ان کی عزت و احترام میں کمی نہ کرے اور جتنی خدمت وہ کر سکتی ہے، کرے؛ لیکن ساس وسسر، دیور اور نندوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ زبردستی اس سے کام لیں، یہ سب باتیں عورتوں کو سکھانے کی ہیں، معلمات میں سے کچھ ساس بھی ہوں گی، کچھ نندیں بھی، کچھ بہوئیں بھی، کچھ بیٹیاں بھی، پھر ان کی طالبات بھی اسی طریقے سے ہیں، ان کو سکھانے کی ضرورت ہے۔

بعض اوقات ہمارے خاندانوں میں؛ بلکہ ہمارے معاشرے میں ایک مصیبت ہے کہ ساس بہو پر حکومت چلاتی ہے اور خود بادشاہ بن کر یا شہزادی بن کر، یا رانی بن کر

مسلط ہوجاتی ہے کہ ساری خدمت کی ذمہ داری اس بہو کے اوپر ہے، دیور کا حکم بھی اسی پر چلتا ہے، کسی چیز میں ذراسی بھول چوک ہوجائے، تو بس سارے اعتراضات اس پر ہوجاتے ہیں، گویا ایک باندی اور خادمہ گھر میں آگئی ہے، اس سے جتنی چاہو، خدمت لے لو، جتنی چاہو، اس کے ساتھ بدتہذیبی کے معاملات کرتے رہو، ان باتوں کو بھی ہمارے مدرسوں میں سکھانے کی ضرورت ہے کہ اس کا کوئی حق نہیں ہے، معاشرے میں اللہ تعالیٰ نے جس کے جتنے درجے رکھے ہیں، وہ اپنی جگہ ہیں، بیوی کا اپنی جگہ پر حق ہے، شوہر کا اپنی جگہ پر حق ہے۔

عورتوں کے حقوق کا تذکرکرنا چاہیے

جب بھی بات ہوگی، تو اس بات کا ذکر ضرور آئے گا کہ بیوی پر شوہر کے حقوق کیا ہیں؟ ہماری تقریروں اور مواعظ میں خدا کے لیے کبھی اس کا ذکر کردیا کریں کہ مردوں کے اوپر اپنی بیویوں کے حقوق کیا ہیں؟ عورتوں کے حقوق کیا ہیں؟ تقریروں اور وعظوں میں یہ ذکر نہیں آتا، پھر خواتین ہماری باتوں کو کیوں توجہ سے سنیں گی؟ آج اتنا بڑا ظلم ہو رہا ہے، دیہاتی علاقوں میں خاص طور پر زیادہ ہو رہا ہے کہ عورتوں کو میراث ہی نہیں ملتی، سندھ میں نہیں ملتی، پنجاب میں نہی ملتی، سرحد میں کہیں عورتوں کو میراث نہیں دی جاتی، یہ سراسر ظلم ہے۔

اللہ رب العٰلمین نے اپنی کتاب قرآن کریم میں صراحۃً حصے مقرر کردئے ہیں، ماں، بیٹی اور بیوی کے حصے مقرر کردئے ہیں، ان حصوں کو غصب کیا جارہا ہے؛ لیکن کبھی آپ نے ہمارے علماء اور بزرگوں کی کوئی تقریر سنی؟ کبھی اس منکر کے خلاف آواز اٹھائی ہے؟

ہم نے درس وتدریس کو ایک پیشہ سمجھ لیا، سبق پڑھادو اور پھر طالبِ علم اور استاذ کا اور طالبہ اور معلمہ کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں رہتا۔

میری گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ دین پڑھانے کے ساتھ ساتھ سکھانا بھی شروع کریں، ہم نے ابھی تک سکھانا شروع نہیں کیا، دیوبند میں سکھایا جاتا تھا اور ہمارے یہاں سکھایا نہیں جارہا۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ صدر دارالعلوم کراچی نے بروز جمعرات ۲۸ رجمادی الاولی ۱۴۳۱ھ ۱۳ رمئی ۲۰۱۰ء کو مدرسہ ''عثمانیہ'' کراچی میں تدریب المعلمین کے اجلاس میں مذکورہ تقریر فرمائی ہے، احقر نے بصورت تحریر چند ذیلی عناوین اور تلخیص کے ساتھ پیش کی ہے۔ابو فیضان قاسمی

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو، تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

مدارس کا قیام، تحفظ اور ترقی کے اصول

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمدبن عبداللہ الامین وعلی آلہ، وازواجہ واصحابہ، ومن تبعہ من امتہ امابعد:

حضرات علماء کرام، ذمہ دارانِ عالی مقام!

آج الحمدللہ ہم چند دینی مدارس کے ذمہ داران اور اساتذۂ کرام ایک باوقار مجلس میں جمع ہیں؛ تاکہ دینی مدارس کے طلبہ کی اصلاح، تربیت، ان کی تعلیم اور تعمیر سے متعلق سب مل جل کر غور وفکر کریں اور اپنے مقاصد میں بھرپور کامیابی کی سعی وکوشش کریں۔

حضرات محترم!

ہم سب مدارس کے ذمہ دار اور اساتذہ ہیں، لہٰذا آیئے، ہمارے اکابر نے جن مقاصد کے لیے مدارس کی بنیاد رکھی تھی، ایک مرتبہ ہم ان کو تازہ کرلیں۔

ہندو پاک کے تمام اہل السنہ والجماعہ کے مدارس براہ راست یا بالواسطہ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہیں اور اس کا عکس اور پرتو ہیں، ہمارے مدارس کے قیام کے مقاصد بھی وہی ہیں جن مقاصد کے لیے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کو قائم فرمایا تھا، دارالعلوم دیوبند کی بقا، تحفظ اور ترقی کے لیے جن اصول کو آپ نے مقرر فرمایا، ہم بھی ان اصول کا اہتمام کریں گے، تو۔ان شاء اللہ۔ ہمارے مدارس بھی محفوظ رہیں گے، قیامت کی صبح تک دینی خدمت میں مصروف بھی رہیں گے اور ہم۔ان شاء اللہ۔اپنے مقصد میں کامیاب وسرخ رو بھی۔

دارالعلوم دیوبند کے قدیم دستورِ اساسی کے مطابق دارالعلوم کو مندرجہ ذیل مقاصد کے لیے قائم کیا گیا ہے:

(۱) قرآن مجید، تفسیر، حدیث، عقائد وکلام اور ان کے علوم کے متعلقہ ضروری اور مفید فنون آلیہ کی تعلیم دینا اور مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہنچانا، رشد و ہدایت اور تبلیغ کے ذریعے اسلام کی خدمت انجام دینا۔

(۲) اعمال واخلاقِ اسلامیہ کی تربیت اور طلباء کی زندگی میں اسلامی روح پیدا کرنا۔

(۳) اسلام کی تبلیغ واشاعت اور دین کا تحفظ ودفاع اور اشاعتِ اسلام کی خدمت بذریعہ تحریر وتقریر بجالانا اور مسلمانوں میں تعلیم وتبلیغ کے ذریعے خیر القرون اور سلف صالحین جیسے اخلاق واعمال اور جذبات پیدا کرنا۔

(۴) حکومت کے اثرات سے اجتناب واحتراز اور علم وفکر کی آزادی کو برقرار رکھنا۔

(۵) علومِ دینیہ کی اشاعت کے لیے مختلف مقامات پر مدارسِ عربیہ قائم کرنا اور ان کا دار العلوم سے الحاق۔ (تاریخ دار العلوم دیوبند ۱/ ۱۴۲)

مدارس کے ترقی کے لیے ذمہ داران اور مدرسین کا کردار

مدارس کی تعلیمی وتعمیری ترقی اور مذکورہ بالا مقاصد کی تکمیل میں ذمہ دارانِ مدارس اور اساتذۂ مدارس دونوں کا کردار اہم ہوتا ہے اور دونوں کا مقصد ایک ہوتا ہے؛ البتہ خدمت کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔

ذمہ دارانِ مدرسہ اپنے علاقے میں مسلمانوں کے ایمان وعقائد کی حفاظت، امت مسلمہ کی نئی نسل کو دینی تعلیمات سے آراستہ وپیراستہ کرنے اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے مدرسے کی بنیاد رکھتے ہیں، مدرسے کے لیے تمام ضروری وسائل: جگہ کی فراہمی، مالیات کی فراہمی، اساتذہ وطلبہ سے متعلق تمام ضروریات کی تکمیل کے لیے کوشش کرتے ہیں، تو اساتذہ ان ذمہ داروں کے حسین خوابوں کو شرمندۂ تعمیر کرنے والے ہوتے ہیں۔

جن مقاصد کے لیے ذمہ دارن مدرسہ بیج بوتے ہیں، اساتذہ اس بیج کو تنا آور اور ثمر آور درخت بنانے والے ہیں۔

ذمہ دارانِ مدرسہ مدرسہ کو ظاہری اعتبار سے سنوارتے ہیں، تو اساتذہ مدرسے کو حقیقی اعتبار سے یعنی امت کے نونہالوں کو علم دین سے آراستہ کرنے کے اعتبار سے کوشش کرتے رہتے ہیں۔

لہٰذا مدارس کے مقاصد میں کامیابی کے لیے ذمہ دارانِ مدرسہ اور اساتذۂ مدرسہ

دونوں برابر شریک ہیں، مدارس کی بقا، تحفظ اور مقصد میں کامیابی کے لیے دونوں کو آپس میں ایک دوسرا کا محسن و معاون سمجھنا چاہیے۔

ذمہ دارانِ مدرسہ اگر مدرسہ کے لیے جگہ خریدیں اور شان دار عمارت تعمیر کرلیں، تمام ضروریاتِ مدرسہ کی تکمیل کرلیں؛ لیکن مدرسے کی چہار دیواری میں طلبہ و اساتذہ نہ ہوں، تو یہ تعمیرات و اسباب کچھ کام کے نہیں، اسی طرح موجودہ زمانے میں کوئی شخص ذی استعداد عالم بن جائے؛ لیکن پڑھانے کے لیے کوئی موزوں و مناسب دار العلوم/مدرسہ/مکتب نہ ملے، تو اس کی صلاحیت و استعداد استعمال نہیں ہوگی، دنیوی کاروبار میں لگنے کی وجہ سے ضائع ہوجائے گی۔

بہرحال ذمہ داران اور اساتذہ مدارس کی ترقی اور مقاصد میں کامیابی کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہیں، لہٰذا آپسی وحدت و اجتماعیت، اتحادِ فکر اور اجتماعیتِ قلوب کی اشد ضرورت ہے، ذمہ دارنِ مدرسہ کی فکر کچھ اور ہے، اساتذہ کی سوچ الگ اور محنت الگ ہے، تو لا حاصل ہے، اساتذہ باصلاحیت اور ذی استعداد ہیں؛ لیکن مدرسے میں وسائل کی کمی اور اسباب کا فقدان ہے، تو مدرسے کی ترقی نہیں ہوسکتی۔

اتحادِ فکر اور اجتماعیت قلوب کے لیے مندرجہ ذیل امور کا اہتمام ضروری ہے۔

(۱) باہمی تعاون

قیامِ مدرسہ کے مقاصد کی تکمیل عملہ اور ذمہ داروں کے آپسی تعاون کے بغیر ناممکن ہے۔

مدرسے کی ضروریات کی تکمیل اور ضروری اشیاء کی فراہمی وغیرہ میں ذمہ دارانِ مدرسے کا تعاون ضروری ہے، طلبہ کی تربیتی، اخلاقی اور تعلیمی ترقی میں اساتذہ کا کردار و تعاون اہم ہے، نیز ایک مدرسے میں خدمت کرنے والوں کا بھی آپس میں ایک دوسرے کا معاون ہونا ضروری ہے، اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کی خوش اسلوبی سے انجام دہی کے ذریعے مہتمم/صدر مدرس/ناظم کا تعاون ضروری ہے، مشورہ طلب امور میں مہتمم/ناظم/صدر مدرس کا اساتذہ سے مشورہ کرنے سے اساتذہ معاون بنیں گے ورنہ معاند بن سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنی اہلیہ اور شیر خوار بچے کو وادیٔ ذی زرع میں چھوڑنے کا حکم دیا، تو حضرت ہاجرہ نے اس حکم کی تکمیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعاون کیا، نیز اللہ تعالیٰ نے آپ سے دوسرا سخت امتحان آپ کے اکلوتے بیٹے کی قربانی کے ذریعے لیا، تو حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے تعاون کیا، حضرت ابراہیم نے فرمایا: تم میرے لیے کس قدر بہترین معاون ہو۔

(۲) آپسی اکرام و تعظیم

ذمہ داران و اساتذہ میں سے کوئی حاکم و محکوم نہیں ہے، دونوں کا مقصد ایک ہے، ہر مسلمان کا اس کے شایانِ شان اکرام، یہ شرعی و اخلاقی فریضہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے، بڑے، مسلم و غیر مسلم شرفائے قوم میں سے ہر ایک کا اس کے لائق اکرام فرمایا کرتے تھے۔

عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے، تو آپ نے ارشاد فرمایا: عکرمہ بن ابی جہل آ رہے ہیں، کوئی شخص ان کو ان کے باپ کے نام پر عار نہ دلائے، آپ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أنزلوا الناس على منازلهم. (ابوداؤد، کتاب الادب: ۴۸۴۲)

ہر آدمی کے ساتھ اس کے مقام و مرتبے کا لحاظ کرو۔

ذمہ دارانِ مدرسہ مدرسہ کے محسن، معاون، خیر خواہ اور مدرسے کے خارجی و انتظامی امور کو انجام دینے والے ہوتے ہیں نیز عمر میں بھی عموماً بڑے ہوتے ہیں اور تمام انتظامی امور کے الجھنوں کو اپنے سر لے کر ہم کو دینی تعلیم میں مشغولی کے لیے یکسو کر دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ليس منا من لم يرحم صغيرنا، ويوقر كبيرنا الخ. (ترمذی، باب رحمۃ الصبیان: ۱۹۲۱)

جو شخص چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی تعظیم نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اساتذہ حفاظِ قرآن، علمائے دین، انبیاء کے وارثین اور علم و دین کے خادمین ہوتے ہیں، اس اعتبار سے وہ اکرام و تعظیم کے زیادہ مستحق ہیں۔

(۳) مشورے کا اہتمام

ذمہ داران مدرسہ کو چاہئے کہ مدرسے سے متعلقہ امور کو آپسی مشورے سے انجام دیں، نیز ناظمِ مدرسہ وصدر مدرس کو قابلِ مشورہ امور میں اساتذہ سے مشورے کا اہتمام کرنا چاہئے، اس سے ذمہ دارن اور اساتذہ کے درمیان اعتماد واطمینان کی فضا پیدا ہوتی ہے اور طے شدہ امور کی تکمیل میں آسانی وسہولت ہوتی ہے۔

(۴) نزاع واختلافات سے پرہیز

جھگڑوں واختلافات سے گھر اجڑ جاتے ہیں، خاندان بکھر جاتے ہیں، ملک بک جاتے ہیں، تنظیمیں ٹوٹ جاتی ہیں، قومیں برباد ہوجاتی ہیں، اگر ذمہ داران اور اساتذہ میں اختلافات پیدا ہوجائیں، تو مدارس ویران ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ. (الانفال:۴۶)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمان برداری کرو، آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ تم ناکام اور بے رعب ہوجاؤ، صبر کرو، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

اگر مدارس کے ذمہ داروں (عمومی معنی مراد ہیں) میں اختلاف ہوگا، مدرسے کی ترقی تنزلی میں بدلے گی، اپنی ذات کی، ذمہ داروں کی اور مدرسے کی بدنامی ہوگی اور مدرسہ ترقی کی راہ سے کوسوں دور ہوجائے گا، اگر اس طرح کے حالات اور مشکلات پیدا ہوجائیں، تو اس کو خوش اسلوبی سے اپنے بڑوں سے حل کرانا چاہئے، نیز ان مصائب وحوادث پر صبر سے کام لینا چاہئے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ کی مدد ونصرت آئے گی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں:

''مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسے کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفتِ رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو، تو پھر اس مدرسے کی بنیاد

میں تزلزل آجائے گا۔

(۵) اخلاص

جس نوعیت کی بھی خدمت ہم سے متعلق ہو، اس کو اللہ کی رضا اور دینِ اسلام کی اشاعت وحفاظت کے لیے کرنا چاہیے ، عمل خواہ کتنا ہی بڑا ہو، اگر وہ اللہ کی رضا کے لیے نہ ہو، تو ممکن ہے کہ دنیوی مقاصد ومفادات حاصل ہوجائیں؛ لیکن قیامت میں وبال کا سبب ہوگا ، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی مشہور حدیث میں عالم ، سخی اور مجاہد کے احوال ذکر کئے گئے ہیں ، جو عمل اللہ کے لیے نہ ہو، اس میں برکت نہیں ہوتی اور وہ دیر پا بھی نہیں ہوتا ، لہٰذا ضروری ہے کہ مدرسے کی جس نوعیت کی بھی خدمت ہم انجام دے رہے ہوں، اس کو اللہ کا فضل، اس کی عظیم نعمت سمجھیں، اپنے عہدوں اور کارناموں پر نہ اترائیں اور کسی عمل کو لوگوں کو دکھانے کے لیے نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ. (الانفال: ۴۷)

ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ کے راستے سے روکنے نکلے تھے ، اللہ تعالیٰ کو تمہارے تمام اعمال کی پوری پوری خبر ہے۔

دینی مدارس کے اصول

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دینی مدارس خصوصاً دارالعلوم دیوبند کے قیام وبقا اور ترقی کے لیے جو دستور العمل تجویز فرمایا ہے وہ پیشِ خدمت ہے ، بقول حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اصول کا متن حضرت والا کے قلم کا لکھا ہوا ہے اور دارالعلوم دیوبند کے خزانے میں محفوظ ہے

جس کا عنوان ہے

وہ اصول جن پہ یہ مدرسہ اور نیز مدارسِ چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں

(خطبات حکیم الاسلام ۹/ ۲۵۳)

(۱) اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنانِ مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں، اوروں سے کرائیں، خیر اندیشانِ مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

(۲) ابقائے طعامِ طلبہ؛ بلکہ افزائش طلبہ میں جس طرح ہوسکے خیر اندیشانِ مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

(۳) مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہلِ مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو، تو پھر اس مدرسے کی بنیاد میں تزلزل آجائے گا، القصہ تہہ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کے پس وپیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو اور اس لیے ضروری ہے کہ اہلِ مشورہ اظہار رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں۔

یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی، تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو، بدل وجان قبول کریں گے اور نیز اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امورِ مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیرِ مدرسہ رہتے ہیں، یا کوئی وارد وصادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور نیز اس وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے اہلِ مشورہ سے مشورے کی نوبت نہ آئے اور بقدرِ ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو، تو اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا، تو پھر اہلِ مشورہ معترض ہوسکتے ہیں۔

(۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسینِ مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خود بیں اور دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں، خدانخواستہ جب اس کی نوبت

آئے گی، تو اس مدرسے کی خیر نہیں۔

(۵) خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے، یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو، پوری ہو جایا کرے ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا، تو بے فائدہ ہوگا۔

(۶) اس مدرسے میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ۔ ان شاء اللہ۔ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ ءتجارت، یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ، تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امدادِ غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

(۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(۸) تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجبِ برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو، بالجملہ حسنِ نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

تحریکِ خلافت کے موقع پر مولانا محمد علی جوہر مرحوم دارالعلوم دیوبند آئے اور حضرت نانوتویؒ کے اصول ہشت گانہ دیکھے، تو مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے آنکھوں میں آنسوں آگئے اور فرمایا کہ ان اصول کا عقل سے کیا تعلق ہے؟ یہ تو خالص الہامی ومعرفت کے سرچشمے سے نکلی ہوئی باتیں ہیں، سو برس کے بعد دھکے کھا کر ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں، حیرت ہے کہ یہ بزرگ پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم ۱/ ۱۵۲)

ہم سب کے لیے دفعہ نمبر تین اور اساتذہ کے لیے بطور خاص دفعہ نمبر چار اور پانچ میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

خلاصہء کلام

آپسی اتحاد، اجتماعیتِ قلوب، مدارس کے تحفظ اور ترقی و کامیابی کے لیے جن نکات کو عرض کیا گیا، قرآن پاک میں ان تمام کی طرف اشارہ موجود ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (الانفال:۴۵)

اے ایمان والو! جب جہاد میں کسی جماعت سے لڑو، تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب ذکر کرو، تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

اس آیت کے اشارۃ النص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے جب کسی اہم دینی کام کو شروع کریں، تو صبر و استقامت کے ساتھ جمے رہنا چاہیے اور اللہ کا ذکر جس میں تمام طاعتیں اور دعا داخل ہیں بکثرت کرنا چاہیے، یعنی کامیابی سے مایوس اور نا امید ہوئے بغیر صبر و استقامت کے ساتھ محنت اور دعاؤں میں لگنا چاہیے، ذکر سے دلوں میں قوت اور طمانیت پیدا ہوتی ہے جس کی دینی امور میں اشد ضرورت ہوتی ہے۔

قاری امیر حسن صاحبؒ ایک مرتبہ جامعہ غیث الہدی بنگلور تشریف لے آئے، مہتمم جامعہ حضرت مولانا مفتی محمد اسلم صاحب رشادی مدظلہ نے قاری صاحبؒ سے جامعہ کے مقروض ہونے کی خبر دیتے ہوئے دعاؤں کی درخواست کی، تو حضرت قاری صاحبؒ نے ایک وظیفہ بتایا جس کا اہتمام کرنے میں مدارس کی ضروریات کی تکمیل، شر و رفتن اور حوادث سے حفاظت ہوتی ہے۔

حسبنا اللہ و نعم الوکیل.

۳۴۱: مرتبہ برائے حفاظت از شر و رفتن

۳۰۸: مرتبہ برائے وسعتِ رزق و ادائے قرض

۱۴۰: مرتبہ برائے حفاظت از حوادث

۱۱۱: مرتبہ کارِ خاص کے لیے مجرب ہے۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: جب جامعہ میں اس وظیفے کا اہتمام ہوتا ہے

،تو الحمد اللہ اطمینان ہوتا ہے، جب اس میں غفلت ہوتی ہے،تو پریشانیوں اور مشکلات کا خطرہ رہتا ہے،لہٰذا ہمارے مدارس میں اس کا اہتمام ہونا چاہئے۔

واطیعو اللہ ورسولہ الخ.

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کرو، آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ تم ناکام اور بے رعب ہوجاؤ گے،صبر کرو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

حضرت مولانا سید شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

’’معلوم ہوا کہ دولت ،لشکر اور میگزن وغیرہ سے فتح ونصرت حاصل نہیں ہوتی ،ثابت قدمی ،صبر واستقلال ،قوت وطمانیتِ قلب، یادِ الٰہی ،خدا اور رسول اور ان کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت وفرماں برداری اور باہمی اتفاق واتحاد سے حاصل ہوتی ہے‘‘۔(فوائد عثمانی)

معلوم ہو کہ مدرسے کی خدمت کرنے والوں میں اگر اختلاف ہوجائے، تو کام کرنے والوں کی قوت ٹوٹتی ہے نیز اپنا وقار مجروح ہوتا ہے،اپنی ذات کی اور مدرسے کی بدنامی ہوتی ہے اور مدرسہ ترقی سے کوسوں دور ہوجاتا ہے۔

ولاتکونوا کالذین خرجوا الخ.

ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ کے راستے سے روکنے نکلے تھے،اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

خلاصہ ٔکلام یہ ہے مدارس کی ترقی کے لیے ذمہ داران اور اساتذہ مخلص، باہم معاون بن کر،الفت ومحبت، ایک دوسرے کا ادب واحترام کرتے ہوئے آپسی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر مشورہ کے ساتھ خدمت میں لگنا چاہئے، ان شاء اللہ اپنی ذات کی بھی ترقی ہوگی اور مدرسے کی بھی ترقی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔آمین

نوٹ: مذکورہ مقالہ ذمہ دارانِ مدارس کی ایک مجلس میں پیش کیا گیا تھا، چوں کہ دینی مدارس کے اساتذۂ کرام سے بھی متعلق ہے، اس وجہ سے اس کتاب کے ساتھ ملحق کردیا گیا ہے۔ابوفیضان قاسمی

دعا کی درخواست

حضرات قارئین کرام! یہ چند بے جوڑ مضامین تھے: جو استاذ و طالب علم کے گہرے ربط وتعلق، اساتذہ کے خلوص وللّٰہیت، پدرانہ محنت وشفقت، طلبہ کی وفاشعاری، اساتذہ کی عظمت، ان کی احسان شناسی اور ادب واحترام، اساتذہ کے علوم وفنون کی حفاظت، تبلیغ اوراشاعت، طالبان علوم نبوت کی تعلیم وتربیت سے متعلق اکابر امت کا طریقہ کاراور طلبہ کی تعلیم، تربیت اورترقی سے معلق سنہری باتوں کی چند جھلکیوں پر مشتمل ہیں، اس امید کہ ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اولاً راقم الحروف کوعمل کی توفیق عطافرمائے، اوران اس شکستہ تحریرکوقبول فرماکرراقم الحروف، اس کے والدین اوراساتذہ کرام کی مغفرت کا سبب اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔(آمین یارب العالمین)

فہرست مصادر ومراجع

اسمائے کتب	اسماء مصنّفین	مطبع
(۱) قرآن مجید	اللہ رب العلمین	لوح محفوظ
(۲) سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد سلیمان السجستانیؒ	فیصل دیوبند
(۳) الجامع الترمذی	امام محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ	
(۴) معارف السنن	حضرت مولانا سید محمد یوسفؒ	دارالکتاب دیوبند
(۵) تحفۃ الاحوذی	مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ	مکتبہ اشرفیہ دیوبند
(۶) ایضاح البخاری	مولانا ریاست علی صاحبؒ بجنوری	مکتبہ قاسم المعارف دیوبند
(۷) تحفۃ الالمعی	مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ	مکتبہ حجاز دیوبند
(۸) درس ترمذی	مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
(۹) سیر اعلام النبلاء	امام شمس الدین ذہبیؒ	
(۱۰) دارالحدیث قاہرہ	محمد بن سعد المعروف با بن سعد	المکتبۃ الشاملۃ
(۱۱) تاریخ دمشق	علی بن حسین المعروف با بن عساکرؒ	المکتبۃ الشاملۃ
(۱۲) اعلام الموقعین	ابن القیم جوزیؒ	مکتبہ مصطفی نزار مکہ
(۱۳) فضائل ابی حنیفہؒ	واخبارہ ومناقبہ ابوالقاسم عبداللہ سعدی	المکتبۃ الامدادیہ مکہ
(۱۴) اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ	حسین بن علی صمیریؒ	المکتبۃ الشاملۃ
(۱۵) حسن التقاضی فی سیرۃ	الامام ابی یوسفؒ علامہ زاہد کوثری	دارالکتب العلمیہ
(۱۶) بلوغ الامانی فی سیرۃ	الامام محمد بن حسن الشیبانی	
	علامہ زاہد الکوثری	
(۱۷) حضرت نانوتوی حیات اور کارنامے	مولانا اسیرادرویؒ	شیخ الہند اکیڈمی
(۱۸) حضرت شیخ الہند حیات اور کارنامے	مولانا اسیرادروی	شیخ الہند اکیڈمی

(۱۹) نفحۃ العنبر فی حیاۃ الشیخ الانور	علامہ محمد یوسف بنوریؒ	مجلس علمی کراچی
(۲۰) تصویر انور	مولانا سید انظر شاہ مسعودیؒ	معہد انور دیوبند
(۲۱) نقش حیات	شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ	دار الاشاعت کراچی
(۲۲) سوانح حضرت شیخ الاسلامؒ	مولانا عبد القیوم حقانی صاحب	القاسم اکیڈمی
(۲۳) تذکرہ شیخ الاسلامؒ	مولانا سید محمود حسن حسنی	سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلوی
(۲۴) پچاس مثالی شخصیات	حضرت قاری طیب صاحبؒ	دار الکتاب دیوبند
(۲۵) خطبات حکیم الاسلام	حضرت قاری طیب صاحبؒ	دار الکتاب دیوبند
(۲۶) ہندوستان اور علم حدیث	مولانا فیروز اختر ندوی	مرکز شیخ ابوالحسن اعظم گڑھ
(۲۷) علمائے حق	مولانا سید میاں صاحبؒ	ادارہ علم وادب دیوبند